بزم طلوع اسلام
کوئٹہ
62590

مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر
ماہنامہ لاہور

طلوع اسلام

جلد: 50 شمارہ: 10 اکتوبر 1997ء

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)
25- بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660
ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-5764484
ناظم (گھر): 6541521

انتظامیہ چیئرمین : ایاز حسین انصاری
ناظم : محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول : محمد لطیف چوہدری
مجلس ادارت : ڈاکٹر صلاح الدین اکبر
ناشر : عطا الرحمٰن ارائیں
طابع : سید فیصل سلیم
مطبع : آفتاب عالم پرنٹنگ پریس 15 ہسپتال روڈ لاہور
مقام اشاعت : 25-B گلبرگ 2 لاہور 54660

زر سالانہ

ایشیا' افریقہ' یورپ	600 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا	800 روپے
اندرون ملک فی پرچہ	15 روپے
اندرون ملک سالانہ	170 روپے

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	3
مکافات عمل	عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ	23
فرقہ واریت۔ آسان حل	سلیم عبدالقیوم (لاہور)	28
ہلکی پھلکی باتیں	محمد اسلم صابر	31
قبروں سے جی اٹھنا	علامہ رحمت اللہ طارق	35
اس نے کہا	عنایت اللہ	42
سکینہ بیٹی!	سید انعام الحق	46
فنون اور ترکہ اسلام	محترم عبدالرحمان چغتائی	50
Family Life in Islam	ڈاکٹر میر مصطفیٰ حسین (بھارت)	63

قارئین کو یہ دیکھ کر خوشی ہو گی کہ مجلہ طلوع اسلام اپنے دور ثانی سے پاکستان کے ساتھ قدم بقدم چل رہا ہے۔

طلوع اسلام کنونشن

1997ء

طلوع اسلام کی سالانہ کنونشن اپنے روائتی وقار اور سنجیدگی کے ساتھ 25 ۔ بی گلبرگ II میں 26 اکتوبر 1997ء بروز اتوار منعقد ہو گی۔

مجوزہ پروگرام

پہلا کھلا اجلاس :۔ 26 اکتوبر بروز اتوار صبح ساڑھے نو بجے۔ دعوت عام

موضوع :۔ مجلس استفسارات

اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات اور روز مرہ مسائل کی نشاندہی آپ فرمائیں۔ قرآن کی روشنی میں جواب دینے کی کوشش ہم کریں گے۔ سوالات 15 اکتوبر تک پہنچ جانے چاہئیں۔

دوسرا کھلا اجلاس : 26 اکتوبر بروز اتوار 3 بجے بعد دوپہر کالج لیول کے طلباء و طالبات میں تقریری مقابلہ

موضوع : حرام رزق کے راستے کس طرح بند ہو سکتے ہیں ؟

طلبا و طالبات اپنے مضامین آڈیو یا ویڈیو کیسٹ پر اپنی آواز میں ریکارڈ کر کے 10 اکتوبر تک ادارہ کے دفتر پہنچا دیں۔ منتخب مقررین کو کنونشن کے پنڈال میں تقریر کی دعوت دی جائیگی۔
اول' دوم اور سوم آنے والوں کو انعامات دیئے جائیں گے۔
تقریر کا دورانیہ 15 منٹ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

❊ ❊ ❊

25 اور 27 اکتوبر کے اجلاس اراکین بزمہائے طلوع اسلام کے لئے مختص ہوں گے۔
رہائش کا انتظام فرشی ہو گا۔ موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں۔

چیئرمین ادارہ

رابطہ کے لئے۔ محمد لطیف چوہدری فون 876219 ۔ 6541521 ۔ 5764484

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

آرٹ اور اسلام

پاکستان میں جوں جوں مذہبی پیشوائیت اپنے اصل روپ میں سامنے آتی جاتی ہے' نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ (ان کے پیش کردہ) مذہب سے برگشتہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ یہ فطرت کا پروگرام تھا کہ یہاں طلوع اسلام کا قرآنی مرکز پہلے سے قائم اور متعارف ہو گیا' اور اس مذہب گزیدہ طبقہ نے اس طرف کا رخ کر لیا جہاں ان کے سامنے' خدا کا دین دلائل و براہین کی تائیدات اور علوم عصر حاضر کی روشنی میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ وہ ان کے قلب و دماغ کے اطمینان کا موجب بن جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جس طرح دیگر ممالک میں ہوا' اور ہو رہا ہے' مذہب سے متنفر طبقہ یقیناً" کمیونزم یا سیکولرزم کے آغوش میں چلا جاتا۔ ۔

نکل کر دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ میخانہ
تو ٹھکرائے ہوئے انساں خدا جانے کہاں جاتے

ان نوجوانوں کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات کچھ تو انفرادی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ جن کا جواب انفرادی طور پر دے دیا جاتا ہے اور کچھ ایسے جو کم و بیش اس پورے طبقہ کا اطمینان چاہتے ہیں۔ یہ جوابات ماہنامہ طلوع اسلام کی وساطت سے دیئے جا سکتے ہیں۔ چونکہ جناب پرویز کا' اولین مخاطب طبقہ' شروع ہی سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا رہا ہے اس لئے وہ ان کے دل میں ابھرنے والے اعتراضات اور سوالات کے متعلق بہت کچھ لکھ گئے ہیں --- اتنا کچھ کہ اب شاید ہی کوئی ایسا سوال سامنے آتا ہو جس کا جواب ان کی تحریروں میں نہ مل جاتا ہو۔

اس طبقہ کی طرف سے پچھلے دنوں یہ سوال عام طور پر پوچھا گیا کہ اسلام میں آرٹ (موسیقی' مصوری' شاعری) کی پوزیشن کیا ہے؟ کیا یہ سب حرام ہیں یا ان سے محظوظ ہوا جا سکتا ہے؟ پرویز صاحب" کا اس موضوع پر بھی ایک مبسوط مقالہ موجود ہے جو انہوں نے 1966ء میں لکھا تھا۔ ذیل میں یہ مقالہ پیش خدمت ہے۔　　مدیر طلوع اسلام

☆☆☆☆

گلاب کے پھول کے متعلق کسی طبیب سے پوچھئے وہ بتائے گا کہ اس کا مزاج حار و یابس ہے اور تاثیر کے اعتبار سے ملین اور مدر۔ خواص کی طرف آیئے تو یہ مقوی اور مفرح قلب ہے اور جگر کی اصلاح میں بھی مدد دیتا ہے۔ اس

کے عرق اور گل قند کا شمار منفعت بخش ادویات میں ہوتا ہے۔ فطرت نے اس میں بڑے فوائد رکھے ہیں۔

جمالیاتی پہلو

لیکن یہی پھول جب ایک ایسے صاحبِ ذوق کی نگہ حسن شناس کے سامنے آئے جسے فطرت نے حس لطیف سے نوازا ہو، تو اسے اس کے اندر، دل کش رعنائیوں اور کیف آور زیبائیوں کی ایک دنیا، مسکراتی مچلتی، کھیلتی، ناچتی دکھائی دے گی۔ اس کی نرم و نازک پتیوں کی لطافت۔ اس کی شفق آمیز رنگینیوں کی نظافت اس کی نکہت جاں نواز کی عطر بیزیاں۔ اس کی شگفتگی و شادابی کی مسرت خیزیاں، ہر چشم جمال آشنا کو دعوت نظارہ دیں گی۔

اور پھر کشش و جذب کا یہ عالم، پھولوں تک ہی محدود نہیں۔ اس نگاہ سے دیکھئے تو صحن چمن کائنات کا ایک ایک گوشہ، دامان باغبان و کفِ گل فروش کا آئینہ دار نظر آئے گا۔ یہاں کوئی شے ایسی نہیں دکھائی دے گی جس میں افادی پہلو (Utilitarian Aspect) کے ساتھ جمالیاتی پہلو (Aesthetic Phase) موجود نہ ہو۔ سورج کی نور پاشیوں میں، چاند کی ضیا باریوں میں، ستاروں کی مرصع کاری میں، کہکشاں کی روشن نگاری میں، بادلوں کی سبک خرامی میں، نسیم سحر کی خوش پیامی میں، سمندر کی تلاطم خیزیوں میں، ندی کی سکوت آمیزیوں میں، سرو قامت درختوں کی پرشکوہ صف آرائی میں، اور ان کی طرف لپک کر آنے والے پرندوں کی نغمہ سرائی میں، غرض یہ کہ نگار خانہ کائنات کی کسی شے کو لیجئے، اس میں منفعت بخشی کے ساتھ ساتھ جمال آفرینی، یوں سموئی ہوئی نظر آئے گی جیسے کسی خوبصورت، محو خواب بچے کے خاموش لبوں کی بہار آفریں مسکراہٹ۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

صد رنگ ربوبیت

حقیقت یہ ہے کہ خدا نے جب انسان کی پروردگاری (نشو و نما۔ ربوبیت) کا ذمہ لیا، تو ضروری تھا کہ اس کی زندگی کے ہر گوشے کے لئے سامان نشو و نما مہیا کیا جاتا۔ انسان کی ضروریات، طبعی ہی نہیں، جذباتی بھی ہیں اور اس کے جذباتی تقاضوں کی تسکین کے لئے ضروری تھا کہ اس کے لئے مہیا کردہ سامان نشوونما میں افادی اور جمالیاتی دونوں عنصر موجود ہوتے۔ حیوان اور انسان میں ایک خط امتیاز یہ بھی ہے کہ حیوان کے تقاضے صرف طبعی ہوتے ہیں لیکن انسان کو ذوق جمالیات بھی ودیعت کیا گیا ہے۔ ایک گائے کے نزدیک پھول اور گھاس یکساں چارہ اور شکم پری کا سامان ہیں لیکن انسان ان دونوں میں تمیز کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ حیوانی سطح سے ابھر کر، انسانی سطح پر آچکا ہو۔

حدود و قیود

لیکن جس طرح انسان کی طبعی زندگی کے تقاضوں کی تسکین کے لئے چند قواعد و ضوابط کی ضرورت ہے اسی طرح اس کی جذباتی زندگی کے تقاضوں کے پورا کرنے کے لئے بھی حدود و قیود لاینفک ہیں۔ خدا کی طرف سے عطا کردہ دین، وہ حدود و قیود متعین کرتا ہے جن کے اندر رہتے ہوئے انسان کی طبعی اور جذباتی زندگی کے تقاضے پورے کرنے سے، انسان کے جسم اور اس کی ذات، دونوں کی نشو و نما ہوتی جاتی ہے اور اس طرح انسان اس دنیا میں بھی جنت بداماں زندگی بسر کرتا ہے، اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی، مزید ارتقائی مراحل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی، ذرا آگے آئے گی۔

دین، خدا کی طرف سے، حضرات انبیاء کرامؑ کی وساطت سے انسانوں کو ملتا رہا۔ لیکن انسانوں نے اس میں

اپنے خیالات و نظریات کی آمیزش کر کے' اسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ دین کی اس مسخ شدہ صورت کو مذہب کہتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ مذہب کی دنیا میں پہنچ کر' انسانی زندگی کے ان دونوں تقاضوں کے ساتھ کیا ہوا؟

مذہب کا تصور

مذہب کا بنیادی تصور یہ ہے کہ یہ دنیا قابل نفرت ہے۔ یہاں کی ہر شے شر ہے۔ اس لئے خدا پرست انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا سے دور بھاگے۔ یہاں کی ہر شے سے نفرت کرے۔ وہ جس قدر مادی دنیا کے لذائذ حظوظ سے قطع تعلق کرتا جائے گا اتنا ہی خدا کا مقرب بنتا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس کی کیفیت یہ ہو جائے کہ ان جاذبیتوں کے لئے اس کے دل میں خواہش تک بھی پیدا نہ ہو' تو اس کی مکمل نجات ہو جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک انسان زندہ رہے گا اسے کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت لامحالہ رہے گی۔ اس سے اسے مفر ہی نہیں۔ وہ انہیں کم کر سکتا ہے۔ لیکن ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ جنگل میں چلا جائے۔ غاروں میں جا بسے۔ پہاڑ کی چوٹی پر آسن جما کر بیٹھ جائے۔ اسے کچھ نہ کچھ کھانے پینے کے لئے ضرور چاہیے۔ اس لئے مذہب پرست لوگ' کھانے پینے کی چیزوں کو تو مطلق حرام قرار نہ دے سکے۔ البتہ جن عناصر کا تعلق انسان کے جذبات سے تھا۔ یعنی اشیائے کائنات کا جمالیاتی پہلو' انہوں نے ان کا گلا ضرور گھونٹ دیا۔ پھر' اتنا ہی نہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں سے مجتنب رہے ہوں۔

ان کے مقربین کی زندگی

انہوں نے ایسی زندگی بسر کرنا۔ تقاضائے "روحانیت" قرار دیا جو ہر صاحب ذوق کے نزدیک انتہائی قابل نفرت ہو۔ آپ ان کی روحانی دنیا کے بڑے بڑے اکابر کے حالات پڑھئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ نہایت گھناؤنے اور نفرت آگیں ماحول میں زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ عیسائیوں کے (Saints) ہوں یا ہندوؤں کے سنیاسی۔ وہ بدھوں کے بھکشو ہوں یا ارباب خانقاہیت' ان سب کی کیفیت ایسی ہی نظر آئے گی۔ کسی کے متعلق کہا جائے گا کہ اس نے ساری عمر غسل ہی نہیں کیا۔ فلاں نے عمر بھر نہ حجامت بنوائی نہ ناخن ترشوائے۔ کسی نے غلاظت کے ڈھیر اور دلدل میں زندگی گزار دی۔ کوئی ساری عمر کھلے آسمان کے نیچے بیٹھا رہا۔ کوئی کنوئیں میں لٹکا رہا۔ آپ اب بھی اپنے ہاں کے کسی "اللہ والے سائیں بابا" یا ان سے بھی اگلی منزل میں پہنچے ہوئے مجذوب کو دیکھئے۔ غلاظت و کثافت کی وجہ سے آپ کا ذوق سلیم ان کے قریب تک جانے سے ابا کرے گا' لیکن عقیدت مندوں کے ہجوم کو اسی مزبلہ میں جنت کی ہواؤں کی خوشبو آ رہی ہو گی جو لوگ اس تفریط تک نہیں جاتے' ان کی شریعت بھی زیبائش و آرائش کی چیزوں کو حرام قرار دینے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتی۔

چور دروازے

اگرچہ مذہب کی دنیا بیشتر انہی لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کی نہ ذہنی سطح بلند ہوتی ہے اور نہ ہی جو ذوق لطیف سے بہرہ یاب ہوتے ہیں' لیکن ان گھرانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن میں یہ ذوق موجود ہوتا ہے۔ وہ اس کی تسکین کے لئے چور دروازے تراش لیتے ہیں مثلاً" عیسائیوں کی شریعت اور طریقت' دونوں میں مادی دنیا قابل نفرت ہے لیکن آپ روم کے بڑے بڑے عظیم الشان گرجوں کو دیکھئے۔ ان میں آپ کو مصوری اور مجسمہ تراشی کے نادر نمونے ملیں گے۔ جنت نگاہ کے لئے ان کی خانقاہوں میں حسین و جمیل راہبات (Nuns) تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں جگمگاہٹ پیدا کر رہی ہوں گی اور گرجے کی انتہائی نرم و نازک موسیقی ان کے لئے فردوس گوش بنے

گی۔ یہی کیفیت ہندوؤں کے مندروں اور سنیاس آشرموں میں نظر آئے گی۔ مجسّمے، تصویریں، کرشن، رادھا اور گوپیوں کے عشق و محبت کی ہیجان خیز داستانیں اور انہی پر مشتمل ان کا سنگیت، رنگ و رامش کے یہ ہنگامے ان کے ہاں بھگوان کی پوجا اور آتما شکتی کے ذرائع ہیں۔ خود ہمارے ہاں تصوف کے بیشتر خانوادوں میں بلند پایہ موسیقی (جس کا جھٹکا قوالی کی شکل میں کیا جاتا ہے) روحانی منازل طے کرنے کی سیڑھیاں قرار دی جاتی ہیں جو اتنی دور تک نہیں جاتے، وہ مزامیر (سازوں) کے بغیر موسیقی پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ (گویا ایک ہی آواز جو انسان کے گلے سے نکلے وہ حلال لیکن وہ لوہے کے تار یا بنسری کے چھید سے نکلے تو حرام!) اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس قسم کی تفریق کو منسوب کیا جاتا ہے اس ذات اقدس و اعظمؐ کی طرف جس میں حسن کائنات کی تمام جلوہ افروزیاں سمٹ کر آگئی ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارا زاہد خشک، قرآن کریم کی جس قرات پر وجد میں آ جاتا ہے، اس میں بھی موسیقی کی لے، نئے ناشنیدہ کی طرح ارتعاش انگیز ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں حجازی اور مصری، دو قراتیں زیادہ مقبول اور مروج ہیں۔ ان میں سے ایک بھیروں راگ میں ہوتی ہے۔ اور دوسری بھیرویں میں۔ یہ سب اس لئے کہ بجز ان لوگوں کے جو اس ذوق سے یکسر محروم ہوں، یعنی جو انسانی سطح تک پہنچ نہ پائے ہوں ذوق لطیف سینے میں انگڑائی ضرور لے گا۔ اگر آپ اس کی تسکین کا سامان کھلے بندوں نہیں کریں گے، تو وہ اپنے لئے زمین دوز سرنگیں کھود لے گا۔

پری رو تاب مستوری ندارند چوں در بندی زروزن سربرآرند

یہ زمیں دوز سرنگیں -- یعنی زروزن سربرآوردن -- آج کل کی نفسیاتی اصطلاح میں -- بدنہادی، یعنی (Perversion) کہلاتی ہے۔ جس کا نتیجہ انسانی ذات کی نشو و نما کی بجائے اس کی تخلیق اور تدفین ہوتا ہے۔ مذہب کی دنیا میں ہوتا ہی یہ ہے۔ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حقائق کا مقابلہ کرنا نہیں سکھاتا۔ وہ کنکھیوں سے دیکھنا سکھاتا ہے۔ وہ بظاہر، صبح سے شام تک، جذبات کی مخالفت میں سرگرم سخن رہتا ہے لیکن درحقیقت، یہ بہانہ ہوتا ہے انہی جذبات کو اپنے سینے میں متلاطم رکھنے اور ان سے ذہنی لذت حاصل کرنے کا۔ اس کی روش عجیب مضحکہ انگیز ہوتی ہے۔ وہ خدا کو عدیم النظیر صانع کائنات مانتا اور اس کی عظمت کے سامنے اپنا سرنیاز خم کرتا ہے، لیکن اسی صانع کی عظیم صنعت گری، یعنی دنیا اور اس کی زیبائش و آرائش کی چیزوں کو قابل نفرت اور انسان کے جذبات و عواطف کو فنا کر دینے کے لائق قرار دیتا ہے اور اسے اپنی انتہائی خدا پرستی پر محمول کرتا ہے صانع کی تعریف اور اس کی صنعت کی مذمت، یہ مذہب کی بارگاہ ہی میں ممکن ہے۔ اس کے برعکس، دین نہ دنیا کو قابل نفرت قرار دیتا ہے، نہ انسانی جذبات کو فنا کر دینے کے قابل۔ وہ انسان کی کسی صلاحیت کو نہ بجائے خویش خیر قرار دیتا ہے نہ شر، ان کا استعمال انہیں خیر یا شر بنا دیتا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ قرآن کریم اس اجمال کی تفصیل کیا بیان کرتا ہے۔

قرآنی تصور

ہمارے ہاں دو اصطلاحیں مروج ہیں۔ جلال اور جمال۔ جلال میں قوت بھی شامل ہے اور ہر شے کا افادی پہلو بھی، کیونکہ افادی پہلو کا صحیح استعمال، قوت پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اس کا تعلق انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔

اس کے برعکس، جمال، کسی شے کا تحسینی پہلو ہے۔ یعنی اس کی (Appreciative Value) اس کا تعلق انسان کے جذبات سے ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، مذہب کی دنیا، اشیائے کائنات کے جلالی (یا افادی) پہلو کو تو خدا کی طرف سے خیر قرار دیتی ہے، لیکن ان کے جمالیاتی پہلو کو جس کا تعلق انسان کے جذبات سے ہے، شر سمجھتی ہے۔ یہ **ثنویت**(Dualism) درحقیقت، مجوسیوں کے ذہن کی پیدا کردہ ہے جن کے ہاں نیکی کا خدا اور ہے (یعنی

یزداں) اور برائی کا خدا اور (یعنی اہرمن)۔ قرآن کریم نے آکر اعلان کیا کہ **ثنویت** کا یہ تصور یکسر باطل ہے۔ جلال اور جمال' دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یعنی خدائے واحد کی ذات۔ **له الملک وله الحمد** (64/1) قوت (اقتدار) اور حمد دونوں کا سرچشمہ اسی کی ذات ہے۔ کسی صانع کے نادر شاہکار کو دیکھنے سے' جذبات تحسین و آفرین کا ابھر کر' بے ساختہ زبان پر آجانا' حمد کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں' خدا کو بار بار حمید کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حسن آفرینی محض اتفاقی یا ہنگامی نہیں۔ اس کا مظاہرہ التزاما" اور دواما" ہوتا رہتا ہے۔

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
رہتا ہے آئینہ ابھی دائم نقاب میں

آپ نے غور کیا ہو گا کہ قرآن مجید کی ابتداء **الحمد لله رب العلمین** سے ہوتی ہے۔ (1/1) ربوبیت (پرورش اور نشو و نما) سے اگر اشیائے کائنات کا افادی پہلو سامنے آتا ہے تو حمدیت سے ان کا جمالیاتی گوشہ بے نقاب ہوتا ہے۔ اسی لئے اس نے' خدا کی طرف جانے والے راستے **صراط العزیز الحمید** کہا ہے (14/2) یعنی وہ راستہ جس پر چلنے سے' غلبہ اور قوت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی زندگی کے نرم و نازک گوشے بھی سنورتے اور نکھرتے چلے جاتے ہیں۔

خدا نے اپنے عمل تخلیق کے متعلق کہا ہے:

الذی احسن کل شی خلقه (32/7)

خدا وہ ہے جس نے ہر شے کو حسین ترین انداز میں پیدا کیا ہے۔

خدا کا عمل تخلیق

حسن نام ہے صحیح توازن اور تناسب کا۔ جہاں کسی شے کے توازن و تناسب (Proportion) میں ذرا سا فرق آیا' اس کا حسن جاتا رہا۔ **پسکال** نے ٹھیک کہا تھا کہ اگر قلوپطرہ کی ناک ذرا چپٹی ہوتی تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ خدا نے اپنے عمل تخلیق کے متعلق بڑی تحدی کے ساتھ کہا ہے کہ تم اس میں کہیں عدم توازن نہیں دیکھو گے۔ کسی شے کو غیر متناسب نہیں پاؤ گے۔ اس کے کہنے کا انداز ملاحظہ کیجئے۔ سورۃ الملک میں ہے **ماتری فی خلق الرحمن من تفوت** تم خدائے رحمٰن کی تخلیق (اشیائے کائنات) میں کہیں کوئی جھول' کوئی سلوٹ' کوئی شکن نہیں دیکھو گے۔ کہیں عدم تناسب نہیں پاؤ گے۔ **فارجع البصر هل تری من فطور** ○ کی فضائے بسیط میں اذن بال کشائی دو اور پھر اس سے پوچھو کہ کیا اس میں کہیں کوئی سقم' کوئی عیب' کوئی شگاف کوئی بدنمائی دکھائی دی ہے؟ **ثم ارجع البصر کرتین** ایک بار نہیں۔ بار بار نگاہ سے کہو کہ وہ اچھی طرح سے دیکھے۔ خوب تلاش اور تجسس کرے۔ **ینقلب الیک البصر خاسئا و هو حسیر** ○ (67/4) وہ خاسر اور درماندہ' ناکام اور مایوس کاشانہ چشم میں لوٹ آئے گی۔ نگار خانہ فطرت میں اسے کہیں کوئی سقم دکھائی نہیں دے گا۔

زیبائش ارضی

اب آگے بڑھئے۔ زمین سے انسان کے لئے سامان زیست پیدا ہوتا ہے' اس لئے اس کی حیثیت یکسر افادی نظر آتی ہے۔ لیکن خدا کا ارشاد ہے کہ **انا جعلنا ما علی الارض زینة لها** (18/7) زمین پر جو کچھ بھی

ہے اس میں ہم نے زینت و آرائش کا پہلو بھی رکھا ہے۔ دیکھو تو' یہ اس قدر رنگا رنگ کے حسین گہنے پہنے' کس قدر دلہن بنی نظر آتی ہے؟ ہم نے کارگہ' فطرت کو ایسا حسین و خوش رنگ کیوں بنایا ہے؟ **لنبلو هم ايهم احسن عملا"** (18/7) تاکہ انسان بھی اپنی ذات میں اعتدال اور توازن پیدا کر کے' اپنے اعمال کو اسی طرح حسین و جمیل بنائے۔ قرطاس ارض پر حسن کی گلکاریاں اس امر کی محرک بنتی ہیں کہ انسان خود اپنی ذات' اور اپنے معاشرہ میں حسن پیدا کرے۔ یعنی اس کا توازن نہ بگڑنے دے۔ آپ نے غور نہیں کیا کہ قرآن نے "نیک عملی" کو حسنات (حسن عمل) کہہ کر پکارا ہے! یعنی وہی عمل' مقبول بارگاہ خداوندی ہے جس میں حسن ہے۔

فضا کی آرائش

ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ قرآن کریم نے سطح ارض پر بچھی ہوئی بساط کی زینت و آرائش کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اب نگاہ آسمان کی طرف اٹھائیے اور دیکھئے کہ اس مرصع چھت میں آپ کو کس قسم کی مینا کاری نظر آتی ہے؟ قرآن اس کی شہادت دیتا ہے کہ چاند' سورج' ستارے' بڑے بڑے عظیم کرے ہیں جو فضا کی پہنائیوں میں مصروف گردش ہیں۔ لیکن وہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ **ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح** (67/5) تم دیکھو کہ جو فضا سطح ارض سے قریب تر ہے اس میں تمہیں کس قدر حسین و جمیل شمعیں فروزاں نظر آتی ہیں۔ چونکہ ہم جانتے تھے کہ تمہیں ہر شب' سونے سے پہلے' آسمان کی طرف دیکھنا ہے' اس لئے ہم نہیں چاہتے تھے کہ تمہاری نگاہ اوپر کو اٹھے تو وہاں بڑے بڑے بھیانک کرے دکھائی دیں جس سے تمہاری نیند اچاٹ ہو جائے اور تمہارے بچے ڈر کے مارے سہم جائیں۔ ہم نے ایسا انتظام کر دیا کہ یہ بھیانک کرے تمہیں جگمگاتی قندیلیں نظر آئیں جو تمہارے لئے وجہ نورانی دل و دیدہ ہوں:- **ولقد جعلنا فى السماء بروجا" و زينها للناظرين** - (15/16) فضائے آسمانی کے ان عظیم الجثہ کروں کو ہم نے دیدہ و بینا کے لئے کیسا خوش نما بنا دیا؟

مویشیوں کی دنیا

سورہ نحل میں' افادی اور جمالیاتی پہلو' بڑے حسین انداز میں سامنے لائے گئے ہیں۔ پہلے کہا۔ **والانعام خلقها لكم فيها دف ومنافع ومنها تاكلون** ○ (16/5) تم مویشیوں کو دیکھو۔ ان میں تمہارے لئے کس قدر فائدے کی چیزیں ہیں۔ ان کی اون سے تم گرم کپڑے بناتے ہو۔ ان کا گوشت تمہارے کھانے کے کام آتا ہے۔ **وتحمل اثقالكم الى بلد لم تكونوا بلغيه الا بشق الانفس** (16/7)۔ ان میں جو بار برداری کے کام آتے ہیں وہ تمہارا سامان اٹھا کر دور دراز شہروں میں لے جاتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ سامان خود اٹھانا پڑتا تو تم کس مصیبت میں پڑ جاتے؟ **والخيل والبغال والحمير لتر كبوها۔** پھر تم گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کو دیکھو۔ وہ تمہاری سواری کے کام آتے ہیں۔ **وزينة** (16/8) اور بعض ان میں سے تمہارے لئے سامان زینت بھی بنتے ہیں۔

یہاں تک آپ نے دیکھا کہ مویشیوں کے افادی پہلو کو ابھار کر سامنے لایا گیا ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے اس باب میں اس سے زیادہ اور کہا بھی کیا جا سکتا ہے لیکن نہیں! ٹھہریئے اور دیکھئے کہ قرآن کریم ان کے متعلق اور کیا کہتا ہے؟

محاکات

مناظر کشی' شاعری کی جان ہوتی ہے اور مصوری کی روح ---- ذرا چشم تصور سے دیکھئے کہ یہ الفاظ آپ کے سامنے کس قدر حسین و پر کیف منظر پیش کرتے ہیں کہ ---

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام

یا ---گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل۔ اس کے ساتھ ہی ---

آگ بجھی ہوئی ادھر' ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں !

یا ایک طرف ---- وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح ----- اور دوسری طرف'

وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

ان میں سے ایک ایک منظر' حسن کی چلتی پھرتی دنیا اپنے جلو میں لئے ہے۔

اب ذرا انہی آیات کی طرف پھر چلئے جن کا تذکرہ اوپر سے چلا آرہا تھا۔ یعنی یہ کہ تمہارے لئے تمہارے مویشیوں میں کس قدر منفعت بخش چیزیں ہیں۔ یہ سب کچھ گنانے کے بعد کہا کہ ان میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے لیکن اس "کچھ اور" کے دیکھنے کے لئے نگہ نظارہ جو کی ضرورت ہے' کہ **ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون**(16/6)۔ ذرا چشم تصور سے دیکھو کہ علی الصبح' تاروں کی چھاؤں میں' نور کے تڑکے' جب فضا کی آنکھیں ہنوز نیم خوابیدہ نیم وا ہوتی ہیں' اور چاروں طرف سکوت کا عالم' اس وقت جب تم ان مویشیوں کو چوپال سے نکال کر' باہر چراگاہوں کی طرف لے جاتے ہو' تو یہ منظر کس قدر جمال آفریں ہوتا ہے۔

اور پھر شام کے وقت' جب سورج تھک کر' پہاڑ کی اوٹ میں ستانے چلا جاتا ہے۔ فضا پر چاروں طرف دھندلکا چھا جاتا ہے۔ کھیت اداس اور راستے خاموش ہو جاتے ہیں تو اس وقت جب تم ان مویشیوں کے گلے کو چراگاہوں سے خراماں خراماں بستی کی طرف واپس لاتے ہو' تو یہ سماں بھی کس قدر کیف بار ہوتا ہے۔ **ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون** (16/6)۔ تمہاری نگاہیں ان کے افادی دائروں میں محدود ہو کر رہ گئی تھیں لیکن اگر تمہارے سینے میں برف کی قاش نہیں' دھڑکنے والا دل ہے' تو تم محسوس کرو گے کہ ان کے اس جمالیاتی پہلو کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ یہ بے بہا ہیں۔

آپ نے مویشیوں کے اس طرح چراگاہوں کی طرف جانے اور واپس آنے کے مناظر' کسی عظیم ترین مصور کے نادر شاہکار میں دیکھے ہوں گے اور یا پھر قرآن کریم کے ان چند الفاظ میں۔ ذرا چشم تصور سے کام لیجئے اور دیکھئے کہ کیا ان الفاظ کے محاکاتی اعجاز کے سامنے ہر نگہ جمال آشنا جھک جھک نہیں جاتی ؟

اطاعت سے زینت

اب آگے بڑھئے۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مذاہب کی دنیا میں تصور یہ ہے کہ جس قدر کوئی شخص خدا کی بندگی۔ پوجا' تپسیا' بھگتی' گیان دھیان میں آگے بڑھتا ہے اتنا ہی وہ دنیا اور اس کی زیبائش و آرائش سے دور ہٹتا چلا جاتا ہے۔ گویا خدا کا تقرب اور دنیاوی زیبائش و آرائش' ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ زاہد کے لئے خشک ہونا ضروری ہے خواہ وہ کسی مذہب کا زاہد ہو۔ زہد کے معنی ہی بے رغبت ہونا ہیں۔ لیکن دیکھئے کہ قرآن کریم کا اس باب میں کیا ارشاد ہے۔ وہ کہتا ہے۔ **یٰبنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد** (7/31) اے نوع

انسان ! یہ تصور غلط ہے کہ اطاعت خداوندی کے لئے ترک دنیا۔ ترک لذات' ترک زیبائش و آرائش ضروری ہے۔ یاد رکھو' دنیاوی زیب و زینت اطاعت خداوندی کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس' اس اطاعت سے خود زیب و زینت کے پہلو ابھرتے ہیں کیونکہ اطاعت خداوندی کا لازمی نتیجہ اس دنیا میں خوشگواریاں حاصل ہونا ہیں۔ اور اس کے بعد کی زندگی کی خوشگواریاں بھی۔

اور اس کے بعد قرآن کریم نے وہ اعلان عظیم کیا ہے جو اس باب میں قول فیصل کا حکم رکھتا ہے اور جس سے مذہب کی دنیا میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اعلان یہ ہے کہ

> **قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده والطيبت من الرزق قل هى للذين امنوا فى الحيوة الدنيا خالصة يوم القيمة** (7/32)۔ اے رسول ! تم ان مذہب پرستوں سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو ان زیب و زینت کی چیزوں کو اور اشیائے خورد و نوش کو حرام ٹھہراتا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے استعمال کے لئے پیدا کیا ہے؟ یہ سامان زیب و زینت' اس دنیا کی زندگی میں (خدا کے طبعی قانون کے مطابق) کا فرد مومن ہر ایک کے لئے کھلا ہے۔ جس کا جی چاہے محنت اور ہمت سے اسے حاصل کر لے۔ لیکن اخروی زندگی میں یہ صرف مومنین کے حصے میں آئے گا۔

•آپ نے اندازہ فرمایا کہ کس قدر تحدی ہے اس اعلان میں کہ وہ کون ہے جو خدا کی پیدا کردہ اشیائے زیب و زینت کو لوگوں کے لئے حرام قرار دے دے ؟ یہ تو خدا کے مقابل کھڑا ہو جانے کے مرادف ہو گا! اس لئے کہ خدا تو ان چیزوں کو لوگوں کے استعمال کے لئے پیدا کرتا ہے اور یہ' لوگوں سے کہتے ہیں کہ ان کے قریب نہ جانا۔ ان کا استعمال حرام ہے ! یہ خدا کے مقابلہ میں خدا بن جانا نہیں تو اور کیا ہے ؟

جنت کی نعما

خدا نے' اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نتیجہ جنت بتایا ہے۔ اس دنیا میں بھی جنتی معاشرہ اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی جنت۔ اس جنت کی جو تفاصیل قرآن کریم میں آئی ہیں ---- اس دنیا میں حقیقی معنوں میں اور اخروری زندگی میں تمثیلی انداز سے جن کا بیان ہوا ہے ان پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ حسن و زیبائش کا کوئی گوشہ بھی ایسا ہے جو اس میں نہ آگیا ہو ؟ سب سے پہلے محاکاتی انداز میں اس منظر کو سامنے لایئے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ **جنت تجرى من تحتها الا نهر** - آب رواں کے کنارے' سبزہ نورستہ۔ گھنیرے درختوں کی چھاؤں' بہار کا موسم جس میں نہ زیادہ سردی نہ گرمی **لا يرون فيها شمسا" ولا زمهريرا** ○ (76/13)۔ دوسری طرف' اعلیٰ درجے کے صوفے۔ حریر و اطلس کے پردے۔ نرم و نازک ریشم کے ملبوسات - (18/31) چاندی اور سونے کے برتن۔ بلوریں آبخورے۔ سونے کے کنگن۔ موتیوں کے ہار (16-76/15 - 43/71) مختصرا" یہ کہ **ماتشتهيه الانفس وتلذ الاعين** (43/71)۔ اس میں ہر وہ شے ہو گی جس کی آرزو انسان کرے اور جس سے نگاہیں لذت یاب ہوں۔ حتیٰ کہ **فهم فى روضة يحبرون** (30/15) سرسبز و شاداب باغات میں نہایت شستہ اور اعلیٰ پایہ کی موسیقی کی محفلیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ (**الحبرة**) میں حسن و جمال' زیبائی و رعنائی اور انبساط و مسرت کے تمام مظاہر آ جاتے ہیں خواہ وہ جنت نگاہ ہوں یا فردوس گوش۔ یہ ہے وہ جنتی معاشرہ جس کا وعدہ اس دنیا میں کیا گیا ہے اور جس کا تمثیلی بیان جنت اخروی کے سلسلہ میں قرآن کریم کے

متعدد مقامات میں آیا ہے۔ آپ سوچئے کہ زیب و زینت کی جن حسین و جمیل اشیاء کو قرآن نے جماعت مومنین کی حسن کارانہ زندگی کا ماحصل بتایا ہے کیا انہی اشیاء کے استعمال کو خدا حرام قرار دے گا؟

انسان کا مقام

یہ تو رہا خدا کی پیدا کردہ اشیائے کائنات کے حسن و جمال سے بہرہ یاب ہونے کا تذکرہ۔ اب یہ دیکھئے کہ تخلیق حسن میں خود انسان کا کیا مقام ہے۔ اس ضمن میں پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم کے نقطہ نگاہ سے خدا اور انسان کا باہمی تعلق کیا ہے؟ ان کا تعلق باہمی رفاقت کا ہے -- نبی اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق' خدا رفیق اعلیٰ ہے' فلہذا' انسان رفیق ادنیٰ لیکن تعلق ان کا بہرحال رفاقت کا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں خدا کا متعین کردہ پروگرام انسان کے ہاتھوں پورا ہوتا ہے۔

انسانی دنیا میں ایک چیز ہے تولید (Procreation)۔ یعنی افزائش نسل۔ اس میں انسان اور حیوان دونوں برابر ہیں۔ لیکن خدا اس سے بلند ہے۔ دوسری چیز ہے تخلیق (Creation) ان میں حیوانات کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن خدا اور انسان اس میں دونوں شامل ہیں۔ خدا نے اپنے آپ کو "احسن الخالقین" کہا ہے -- یعنی تخلیق کرنے والوں میں سب سے زیادہ حسین تخلیق کرنے والا۔ جب اس نے اپنے آپ کو خالقین میں شمار کیا ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے علاوہ خالق بھی تسلیم کرتا ہے۔ خدا کے بعد یہ خالق' انسان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے ؟ اس سے واضح ہے کہ جو خصوصیت انسان کو حیوان سے متمیز کرتی ہے وہ عمل تخلیق ہے اور اس عمل تخلیق میں انسان اور خدا دونوں شامل ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ خدا کا عمل تخلیق' حسن کا بلند ترین شاہکار ہوتا ہے۔ لہذا جس انسان میں تخلیق (Creativeness) کی صلاحیت نہیں وہ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتا ہے۔ انسانی سطح پر وہ پہنچ ہی نہیں پاتا۔ اسی لئے اقبال نے کہا تھا کہ ۔

ہرکہ او را لذت تخلیق نیست
نزد ما جز کافر و زندیق نیست

اور جوں جوں انسان' اپنے عمل تخلیق میں حسن پیدا کرتا جائے گا' وہ رفاقت میں خدا سے قریب تر ہوتا جائے گا اور اس قرب خداوندی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خود انسان کی اپنی ذات میں بھی حسن پیدا ہوتا جائے گا۔ عمل خیر ہے ہی وہی جس سے حسن کائنات نکھرتا جائے اور انسان کی اپنی ذات سنورتی جائے۔ حسن کائنات میں یہی اضافے ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبالؒ نے (انسان اور خدا کے مکالمہ میں) خدا کو مخاطب کرتے ہوئے' انسان کی زبان سے کہلوایا ہے کہ ۔

تو شب آفریدی' چراغ آفریدم		سفال آفریدی ! ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی		خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ ازسنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

موسیقی

خدا کے پیدا کردہ خام مسالہ کے تخلیقی امتزاج سے انسان کیا کچھ پیدا کرتا ہے' دنیا کی تاریخ تمدن و تہذیب' اور داستان آرٹ اور سائنس اس کی زندہ شہادت ہے۔ جہاں تک آرٹ' اور آرٹ میں موسیقی کا تعلق ہے' حضرت

داؤدؑ کو اس میں بڑا نمایاں مقام حاصل ہے۔ انہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی تھی اور مصری اور بابلی مزامیر (سازوں) کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کئے تھے جن میں قانون اور بربط خاص طور پر مشہور ہیں۔ زبور ان کا صحیفہ ہے۔ اس میں' ہرباب کے پہلے یہ ہدایات موجود ہیں' کہ سردار مغنی ان آیات کو کس ساز کے ساتھ گائے۔ اس سے آخری باب میں ہے۔

قرنائی پھونکتے ہوئے خدا کی ستائش کرو۔ بین اور بربط چھیڑتے ہوئے اس کی ستائش کرو۔
طبلہ بجاتے اور ناچتے ہوئے اس کی ستائش کرو۔ بلند آواز سے جھانجھ بجا کر اس کی ستائش کرو۔
خوش آواز جھانجھ بجا کر اس کی ستائش کرو۔

(تورات۔ صفحہ 616 شائع کردہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور 1966ء)

اس میں شبہ نہیں کہ تورات میں بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے لیکن ہم موسیقی کے متعلق اس بیان کو اس لئے قابل قبول کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں جنتی معاشرے میں موسیقی کی محفلوں کا ذکر ہے تو یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت داؤد نے اس فن کی تہذیب و تزئین کی ہو گی۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود ہمارے ہاں کی کتب احادیث کی شروح میں مذکور ہے کہ حضرت داؤدؑ باجے کے ساتھ گایا کرتے تھے (مثلاً" حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری)

کتب احادیث میں ہے کہ مسجد نبویؐ میں حبشیوں کا ناچ ہو رہا تھا اور حضور نبی اکرمؐ' ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق جو تصور عام طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ آپ بڑے درشت مزاج' قسم کے انسان تھے' جن کی ہاتھوں میں ہروقت درہ' منہ میں جھاگ' آنکھوں میں شعلے اور ماتھے پر شکن رہتے تھے۔ یہ ان کے مزاج کی غلط تصویر ہے۔ وہ نہایت لطیف حسیات کے حامل اور بلند ترین ذوق جمالیات کے پیکر تھے۔ آپ کے ذوق شعری کے متعلق ذرا آگے چل کر ذکر آئے گا۔ جہاں تک موسیقی کا تعلق ہے آپ اس کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ عربوں کی موسیقی زیادہ تر حدی خوانی اور رجز نوائی تک محدود تھی۔ اس سے آپ کیف اندوز بھی ہوتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی ترنم سے شعر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمرؓ کے مکان پر آیا تو میں نے سنا کہ اندر حضرت عمرؓ حدی خوانوں کی طرح گا رہے ہیں۔ میں اندر گیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ جو کچھ میں پڑھ رہا تھا' تو نے اسے سنا تھا۔ جب میں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ جب ہم تنہا ہوتے ہیں تو جیسے عام لوگ گاتے ہیں' ہم بھی گاتے ہیں۔

خلوت ہی میں نہیں بلکہ جلوت میں بھی۔ ایک دفعہ آپ کسی قافلے کے ساتھ جا رہے تھے تو ایک شعر اس ترنم کے ساتھ پڑھا کہ لوگ سننے کے لئے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے یہ دیکھا تو جھٹ سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ اس پر لوگ منتشر ہو گئے۔ پھر ویسے ہی گایا تو لوگ جمع ہو گئے اور جب آپ نے پھر قرآن پڑھنا شروع کر دیا تو وہ منتشر ہو گئے۔ ہنس کر فرمایا کہ " ان شیطانوں کی ذریت کو دیکھو۔ گانا گاتا ہوں تو لپک کر آجاتے ہیں اور قرآن پڑھتا ہوں تو بھاگ جاتے ہیں۔"

ایک قافلہ کے ساتھ' جس میں حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ بھی تھے' چرواہوں کی ایک ٹولی آملی۔ شام ہوئی تو چرواہوں نے رباح فہری سے' جو مشہور گانے والا تھا' حدی خوانی کی فرمائش کی۔ رباح نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ قافلے کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تم شروع کرو۔ اگر حضرت عمرؓ نے روک دیا تو بند کر دینا۔ اس نے شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ سن کر خوش ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو رباح سے کہا کہ اب بس کرو۔ ذکر الٰہی کا وقت آگیا ہے۔ دوسری شب چرواہوں نے رباح سے ایک اور گانے کی

فرمائش کی جو حدی خوانوں ہی کے انداز کا تھا۔ اس سے بھی حضرت عمرؓ اسی طرح کیف اندوز ہوتے رہے۔ تیسری شب انہوں نے کچھ بازاری قسم کے گانے کی فرمائش کی تو اسے سن کر آپ نے رباح سے کہا کہ یہ نہیں بھائی! اس سے دلوں میں انقباض اور کدورت پیدا ہوتی ہے۔

ان واقعات سے موسیقی کے جواز و عدم جواز' اور سرود حلال و حرام کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے کھینچے ہوئے یہی خطوط امتیاز تھے جن کی روشنی میں اقبالؒ نے کہا تھا کہ "سرود حلال" وہ ہے کہ

جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک   اور پیدا ہو ایازی سے مقام محمود

اس کے برعکس

اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام   حرام میری نگاہوں میں ناء و چنگ و رباب

مصوری

حضرت سلیمانؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے مختلف علاقوں کے نادرہ کار صناع اپنے ہاں اکٹھے کر رکھے تھے۔ **یعملون له مایشاء من محاریب و تماثیل** (34/13) جو حضرت سلیمان کی منشاء کے مطابق' ان کے لئے بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے تھے اور ان میں مجسمے تراشتے یا تصاویر بناتے تھے۔ تماثیل کا لفظ مجسمے اور تصاویر دونوں کے لئے آ سکتا ہے۔ جہاں تک تصاویر کا تعلق ہے ان کے جائز اور حلال ہونے میں اب کسی قسم کا شبہ ہی نہیں رہا۔ میں نے "اب" کا اضافہ اس لئے کیا ہے کہ بڑے بڑے مدعیان شریعت جو آج سے کچھ عرصہ پہلے تک' تصویر اتروانا تو کجا' تصویر دیکھنا بھی حرام قرار دیتے تھے' اب پوز دے کر' بڑے طمطراق سے اپنی تصویریں کھنچواتے اور ان کی نمائش کراتے ہیں۔ جہاں تک مجسمہ سازی کا تعلق ہے' حال ہی میں حکومت سعودی عرب کی طرف سے' مودودی صاحب کو جو ایوارڈ ملا ہے' اس کے تمغہ (Medal) میں' شاہ فیصل (مرحوم) کی تصویر ڈھلی ہوئی ہے۔ یہ تو تصویر سے آگے بڑھ کر مجسمہ کے ذیل میں آ جاتا ہے۔ اس باب میں بھی حضرت عمرؓ کا مسلک بطور مثال پیش جا سکتا ہے۔ جب مدائن کی فتح کے بعد اسلامی لشکر' کسریٰ کے قصر ابیض میں داخل ہوا تو اس میں یہاں وہاں' مجسموں کے حسین و جمیل شاہکار نصب تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے انہیں نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا اور حضرت عمرؓ نے ان کے اس فیصلے کی تصویب فرمائی اور ان طرح ان مجسموں کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔

آرٹ۔ (یعنی فنون لطیفہ) میں چار اصناف ہی بنیادی شمار کی جاتی ہیں۔ مجسمہ سازی تصویر کشی موسیقی اور شاعری۔ پہلی تین کا ذکر آ گیا ہے شاعری کا ذکر آگے آئے گا یہاں قرآن کریم کے ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔

اسماء الحسنیٰ

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں' حسن نام ہے صحیح صحیح توازن اور تناسب کا۔ جہاں کسی شے کا توازن بگڑا' حسن

معدوم ہو گیا۔ اس کے برعکس، اگر مختلف اور باہدگر متضاد عناصر کے امتزاج میں توازن ملحوظ رکھا جائے، تو ان میں بھی حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ جن حقائق کو صفات خداوندی کہہ کر پکارا جاتا ہے، ان میں باہمی تضاد ہے۔ وہ رحیم بھی ہے اور قہار بھی۔ وہ رؤف بھی ہے اور جبار بھی۔ لیکن یہ صفات، خدا کی ذات میں ایسے صحیح توازن اور اعتدال کے ساتھ جمع ہیں کہ قرآن ان کے مجموعہ کو اسماء الحسنیٰ سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ صفات، جو بہ ہیئت مجموعی، حسین ترین انداز لئے ہوئے ہیں۔

انسان کے اندر بھی متضاد قوتیں اور جذبات موجود ہیں۔ جس انسان کے اندر، ان قوی اور جذبات میں صحیح صحیح توازن پیدا ہو جاتا ہے، اسے متوازن شخصیت (Balanced Personailty) کا حامل کہا جاتا ہے۔ ان قوتوں اور جذبات کا اعتدال و توازن کے ساتھ استعمال، حسن عمل کہلاتا ہے۔ آرٹ میں یہ اعتدال اور توازن نازک ترین حد تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ کسی حسین ترین تصویر میں آنکھ کی سیاہی میں ایک نقطہ بھر کی کمی یا زیادتی اسے بدترین بد شکل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ بلند ترین موسیقی میں، کسی سر میں ذرا سا زیادہ ابھار یا اتار راگ کا روپ بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

اعتدال

قرآن کہتا ہے کہ جب خود ان چیزوں میں حسن نام ہے صحیح توازن و اعتدال کا تو ان سے لذت یاب ہونے میں بھی اعتدال توازن کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔ حد اعتدال سے ذرا بھی آگے بڑھے، تو یہی حسن، شر میں تبدیل ہو جائے گا۔ دیکھئے جہاں اس نے کہا تھا کہ وہ کون ہے جو خدا کی پیدا کردہ اشیائے زیبائش و آرائش اور حسین و جمیل سامان زیست کو حرام قرار دے، تو وہیں یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ان سے بہرہ یاب ہو لیکن **ولا تسرفوا** حد سے آگے نہ بڑھو (7/31) **انہ لا یحب المسرفین** حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کیا جاتا۔ یعنی ان اشیاء سے لذت یاب ہونا خدا کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں۔ اس کے نزدیک حد سے بڑھنا ناپسندیدہ ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جسے اس نے سورۃ کہف کی اس آیت میں، جسے میں شروع میں پیش کر چکا ہوں۔ کہا ہے کہ **انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا** ہم نے سطح ارض پر بڑی زیب و زینت کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ **لنبلوھم ایھم احسن عملا"** (18/7) تاکہ یہ دیکھا جائے کہ ان میں سے کون اپنے اعمال حیات میں توازن و اعتدال قائم رکھتا ہے۔ یہ تو پھر بھی زیب و زینت سے متعلق ہے۔ وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ **وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوھا** صفات خداوندی اپنے اندر انتہائی حسن و اعتدال لئے ہوئے ہیں۔ انہیں اسی حسن و اعتدال کے ساتھ اپنے اندر اجاگر کرو **و ذرو الذین یلحدون فی اسمائہ** (7/180) جو لوگ ان میں اعتدال قائم نہیں رکھتے بلکہ اس کی کسی ایک صفت کو لے کر افراط کی طرف نکل جاتے ہیں، ان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ جس طرح مثلاً عیسائیوں نے خدا کی صفت "رحیمی" میں اس قدر غلو کیا کہ قانون مکافات عمل کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس سے نہ صرف ان کی اپنی ذات کا حسن بگڑ گیا بلکہ انسان کی تمدنی دنیا میں بھی فساد ہی فساد پیدا ہو گیا۔

یہ ہے وہ بنیادی شرط جس کے ساتھ قرآن کریم جمالیات سے متمتع ہونے کی تاکید کرتا ہے۔ یعنی زندگی کے افادی اور جذباتی گوشوں میں صحیح صحیح تناسب قائم رکھتے ہوئے، افادی اور جذباتی گوشوں کی مثال پٹرول اور موبل آئل کی سمجھئے۔ اگر کار میں پٹرول ہی پٹرول ہو۔ موبل آئل نہ ہو، تو اس کا انجن خود اپنی حرارت سے پھک جائے گا اور اگر اس کی پٹرول کی ٹنکی میں بھی موبل آئل ڈال دیا جائے --- نہیں، اگر موبل آئل ذرا اپنے مقام سے آگے

بڑھ کر پٹرول میں دخل انداز ہو جائے۔ تو موٹر کے پرزے چیکٹ ہو کر رہ جائیں گے۔ یاد رکھیے جمال اور جلال کے صحیح امتزاج ہی سے' زلف کائنات کی **مشاطگی** ہو سکتی ہے' اقبالؒ کے الفاظ میں۔

نہ جدا رہے نواگر' تب و تاب زندگی سے — کہ ہلاکی امم ہے یہ طریق نے نوازی

بلکہ اور واضح الفاظ میں۔

اے اہل نظر' ذوق نظر خوب ہے' لیکن — جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ ہنر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو — جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں — جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

وہ پیمانہ کیا ہے

سوال یہ ہے کہ وہ پیمانہ کیا ہے جس سے یہ ماپا جا سکے کہ ہم نے افادی اور جمالیاتی گوشوں میں صحیح توازن قائم رکھا ہے' ان کے اعتدال کو بگڑنے نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ اسے افراد کے اپنے اپنے فیصلے پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس طرح' مختلف علوم کے ہر شعبے اور فن کے ہر گوشے کے لئے کچھ بنیادی اصول اور معیار ہیں' اسی طرح' افادیت اور جمالیات میں توازن قائم رکھنے کے لئے بھی بنیادی اصول اور معیار ہیں۔ جنہیں مستقل اقدار کہا جاتا ہے۔ یعنی خدا کے مقرر کئے ہوئے پیمانے جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ **لا تبدیل لکلمت اللہ** ان حدود کے اندر رہتے ہوئے' ان پیمانوں کے مطابق ان سے بہرہ یاب ہوا جائے تو یہ عین مطابق اسلام ہوگا۔ ان حدوں کو پھاند جایئے اور ان پیمانوں کو توڑ دیجئے تو یہ حرام ہو جائے گا۔ یہی حدود فراموش اور پیمانہ شکن ہیں وہ فنکار جن کے متعلق اقبالؒ نے کہا ہے کہ:

وہ نغمہ سردی خون غزل سرا کی دلیل — کہ جس کو سن کر ترا چہرہ تابناک نہیں
نوا کو کرتا ہے موج نفس سے زہر آلود — وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں

یہ حدیں اور پیمانے قرآن کے اندر محفوظ ہیں جو اس خدا کی کتاب ہے جو کائنات کے افادی اور جمالیاتی گوشوں کا خالق اور انسانی ممکنات کی نشو و نما کے تقاضوں سے باخبر ہے۔

اب آیئے شاعری کی طرف۔ قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے۔ **وما علمنه الشعر وما ینبغی له** (36/69) ہم نے اسے شاعری نہیں سکھائی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعری ایک پیغامبر کے شایان شان ہوتی ہی نہیں۔ اس سے' بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ قرآن کریم شاعری کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن یہ نکتہ ذرا تشریح طلب ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم نے جب شاعری کی مذمت کی ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کے نزدیک نثر میں بیان کردہ مفہوم قابل قبول ہوتا ہے اور اسی مفہوم کو اگر نظم میں بیان کر دیا جائے تو وہ مذموم اور مردود قرار پا جاتا ہے۔ ایسا سمجھنا صحیح نہیں۔ قرآن' اسلوب بیان سے بحث نہیں کرتا۔ مقصود بیان سے بحث کے حقائق سے بحث کرتا ہے۔ چنانچہ جس آیت کو میں نے ابھی ابھی پیش کیا ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ ہم نے رسول کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی شاعری' ایک رسول کے شایان شان ہوتی ہے تو اس سے آگے ہے۔ **ان هو الا ذکر و قرآن مبین** (36/69)۔ جو کچھ ہم نے رسول کو دیا ہے وہ تاریخی شواہد اور زندگی کے بنیادی اصول اور واضح قوانین ہیں اور ان سے مقصد یہ ہے۔ **لینذر من کان حیا** (36/70)۔ جن لوگوں میں زندہ رہنے کی صلاحیت اور آرزو ہے یہ انہیں' اس کے ذریعے' زندگی کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر سکے۔ قرآن کریم

تاریخی شواہد اور زندگی کے ٹھوس حقائق سے بحث کرتا ہے اور شاعری' اس کے خلاف' جذبات سے کھیلتی اور لطائف سے اس کا جی بہلاتی ہے۔ رسول کے سامنے' زندگی کا ایک متعین نصب العین ہوتا ہے اور اس کا ہر قدم اس نصب العین کی طرف اٹھتا ہے۔ نہ مشکلات و مصائب اس کے لئے سنگ راہ بنتی ہیں' اور نہ ہی مفاد پرستانہ جاذبیتیں' اس کی دامن گیر ہو کر' حصول مقصد کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ گوئٹے کے الفاظ میں اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ۔

در راہ او بہار پری خانہ آفرید — نرگس ومیدو لالہ دمید و سمن دمید
گل عشوہ داد وگفت' یکے پیش ما بایست — خندید غنچہ و سر دامان او کشید
نا آشنائے جلوہ فروشان سبز پوش — صحرا برید و سینہ کوہ و کمر درید
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
درخود یگانہ' ازہمہ بیگانہ می رود

رسول کی یہ کیفیت زندگی کی جمالیاتی وادیوں میں ہوتی ہے۔ جہاں تک جلال کا تعلق ہے اس کا عالم یہ ہوتا ہے

دریائے پر خروش زبند و شکن گذشت — از تنگنائے وادی کوہ و دمن گذشت
یکساں چوں سیل کردہ نشیب و فراز را — از کاخ شاہ دبارہ و کشت و چمن گذشت
بیتاب و تند و تیز و جگر سوز و بے قرار — در ہرزماں بتازہ رسید از کہن گذشت
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

یہ کیفیت ہے مصاف زندگی میں ایک رسول کی جو عالمگیر انقلاب کا داعی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس شاعروں کے متعلق قرآن کریم نے کہا کہ **الم ترانھم فی کل واد یھیمون** ○ (26/225)۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ کس طرح **اھیم** کی طرح' مختلف وادیوں اور بیابانوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ **الاھیم** اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے جھوٹی پیاس کی بیماری لگ جائے اور وہ اسے مختلف چراگاہوں اور نخلستانوں میں لئے لئے پھرے لیکن کسی جگہ اس کی تشنگی دور نہ ہو۔ شاعر کے سامنے چونکہ زندگی کا متعین نصب العین نہیں ہوتا' اس لئے وہ کبھی جذبات کی ان وادیوں میں مارے مارے پھرتا ہے اور کبھی تخیلات کی ان جولانگاہوں میں۔ اور چونکہ یہ جذبات بھی جھوٹے ہوتے ہیں اس لئے اس کی کہیں تسکین ہی نہیں ہوتی۔ وہ ساری عمریونہی بھٹکتا پھرتا ہے۔ **ویتبعھم الغاوون** اور اس کے پیچھے لگنے والے بھی بھٹکتے پھرتے ہیں' لیکن شاعر کو اس سے دھوکا لگ جاتا ہے کہ اس کے متبعین کی جماعت بہت بڑی ہے۔ حالانکہ یہ جماعت نہیں' ایک انبوہ کثیر ہوتا ہے جس کی حالت ٹڈی دل کی سی ہوتی ہے۔ (الغاوی) ٹڈی دل کو کہتے ہیں۔ دیکھنے میں لاکھوں لیکن بغیر کسی نصب العین کے۔ ان سب کا آخری نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے۔ پھر' ان شاعروں کی اپنی زندگی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ **انھم یقولون مالا یفعلون** وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جنہیں خود کر کے نہیں دکھاتے۔ اس لئے کہ جب پیاس ہی جھوٹی ہو تو قول اور عمل میں موافقت کیسے ہو؟

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک' شاعری' پیرایہ بیان کا نام نہیں۔ یہ ایک خاص ذہنیت کا نام ہے جو اس ذہنیت کی نقیض ہوتی ہے جسے قرآن پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس نے شاعروں کی اس ذہنیت کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے **الا الذین امنوا و عملوا الصلحت** ان کے برعکس وحی کی صداقتوں پر ایمان رکھنے والوں کی ذہنیت ہے جو ایک متعین نصب العین پر یقین رکھتے ہیں اور ایسے پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہیں جو ان کی اپنی ذات کی

صلاحیتوں کی بھی نشو و نما کرے' اور دنیا کے بگڑے ہوئے کام بھی سنوارے **وانتصر وامن بعد ماظلموا** جب ان پر کوئی ظلم اور زیادتی کرے' تو وہ سودا کی طرح "غنچے" کو آواز نہیں دیتے کہ !؟ زرا لانا تو میرا قلمدان ہجو لکھ کر اسے مزہ چکھا دوں۔" وہ اس سے اس زیادتی کا بدلہ لیتے ہیں **وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون** ○ (26/227) جس میں ظلم اور زیادتی کرنے والے بدلگام نہ پھرتے رہیں کہ جو ان کے جی میں آئے کریں۔ انہیں کوئی روکنے والا ہی نہ ہو۔ اس نظام میں اس قسم کے لوگوں کو صاف نظر آجاتا ہے کہ انہیں ان کی غلط روش سے ہٹا کر کس مقام کی طرف لایا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ کون سا ہو گا۔

یہ ہے فرق شاعرانہ ذہنیت اور مومنانہ ذہنیت میں۔ قرآن کریم نے اس (شاعرانہ) ذہنیت کی مذمت کی ہے' نہ کہ شعر کی مذمت۔ کالرج نے جب کہا تھا کہ شاعری کی ضد (Anti-Thesis) نثر نہیں بلکہ سائنس ہے' تو اس سے اس نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا۔

شاعری اور نبوت

اس مقام پر ایک نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ دیگر اقوام عالم (مثلاً یونان وغیرہ) کی طرح' عربوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ تھا کہ (کاہنوں اور نجومیوں کی طرح) شاعر کو بھی الہام ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نبوت کو بھی از قبیل شاعری سمجھتے تھے۔ وہ رسول اللہ کو کبھی ساحر' کبھی کاہن اور کبھی شاعر کہتے تھے۔ قرآن کریم نے اس عقیدہ کی بھی تردید کی اور کہا کہ نبوت' شاعری نہیں۔ شاعروں کا ہاتف اور سروش' ان کے اپنے تخیلات کی تخلیق ہے۔ اس کے برعکس' وحی نبوت ایک خارجی حقیقت ہے جو نبی کے اپنے جذبات' تخیلات یا وجدان کی پیدا کردہ نہیں ہوتی۔ قرآن کریم جب شاعروں کی مذمت کرتا ہے تو اس سے اس کا مقصد اس عقیدہ کی تردید بھی ہوتا ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ (مصوری اور موسیقی کی طرح) قرآن کریم شعر کی مذمت نہیں کرتا۔ وہ دیکھتا یہ ہے کہ شاعر کہتا کیا ہے؟ اس باب میں اس کا معیار یہ ہے کہ

سینہ روشن ہو تو ہے سوز سخن عین حیات
ہو نہ روشن تو سخن مرگ دوام اے ساقی

اور سینے کو روشنی' خدا کی عطا کردہ مستقل اقدار کی قندیل ہی سے مل سکتی ہے جب سینہ اس شمع نورانی سے روشن ہو' تو پھر شاعر کے سامنے زندگی کی تمام شاہراہیں جگمگاتی چلی جاتی ہیں اور وہ جنت سے نکلے ہوئے آدم کو پھر سے جنت کی طرف لے جانے والا راستہ دکھاتا ہے' یہ وہ مقام ہے جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا کہ

شعر را مقصود اگر آدم گری است — شاعری ہم وارث پیغمبری است

اس انداز کی شاعری کی نشید حیات افزا محفل نبویؐ میں بھی وجہ فردوس گوش ہوتی تھی۔ حضرت حسانؓ بن ثابت خود نبی اکرمؐ کے حضور شعر پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات حضورؐ ان سے شعر خوانی کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ شعر و شاعری کے متعلق یہی انداز حضرت عمرؓ کا تھا۔ وہ شعر کو دل سے پسند کرتے تھے' لیکن اسی شعر کو جو حقائق کا آئینہ دار ہو اور زندگی اور حیات کا پیغامبر۔ اقبالؒ کے الفاظ میں

وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے — یا نغمہ جبریل ہے یا بانگ سرافیل

وہ خود اپنے بیٹے (عبدالرحمٰن) سے کہا کرتے تھے کہ "بیٹا! اچھے اچھے شعر یاد کیا کرو تاکہ تمہارے ادب میں اضافہ

ہو۔ جسے اچھے شعر یاد نہ ہوں وہ کبھی ادیب نہیں بن سکتا۔"

عربوں کی شاعری کے متعلق فرمایا۔
اہل عرب کا بہترین فن اشعار ہیں کہ انسان اپنی ضروریات میں ان سے کام لیتا ہے۔ یہ سخی کو مائل بہ کرم کر دیتا ہے حتیٰ کہ بخیل کا دل بھی نرم کر دیتا ہے۔
ایک دفعہ فرمایا۔
شعر ایک ایسی قوم کا فن تھا جس کے پاس اس سے بہتر کوئی فن نہیں تھا۔ جب اسلام آیا تو اہل عرب جہاد میں مصروف ہو گئے اور شعر اور اس کی روایات سے غافل ہو گئے۔ بعد ازاں جب اسلام پھیل گیا۔ فتوحات کی کثرت ہو گئی اور اہل عرب شہروں میں اطمینان سے بیٹھ گئے تو پھر روایت شعر کی طرف رجوع کرنے لگے۔ ان کے پاس نہ کوئی مدون دیوان تھا نہ کوئی لکھی ہوئی کتاب۔ بہت سے عرب طبعی موت مر چکے یا تلوار کی نذر ہو چکے تھے۔ لہٰذا جو کچھ اس نے پایا اسے یاد کر لیا' اگرچہ بہت سا شعری سرمایہ ضائع ہو گیا اور بہت کم محفوظ رہا۔
یہ تو بالتحقیق نہیں کہا جا سکتا' آپ خود بھی شعر کہتے تھے یا نہیں لیکن تاریخی واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کو اس قدر شعر یاد تھے کہ جو اہم بات بھی آپ کے سامنے آتی اس کے متعلق آپ حسب حال شعر سنا دیا کرتے۔ اور شعر کا ذوق اتنا بلند اور مذاق ایسا سلیم تھا کہ بڑے بڑے شعراء کا کلام آپ کے سامنے محاکمہ کے لئے پیش کیا جاتا اور آپ اس سلسلہ میں ایسے لطیف نکات بیان فرماتے کہ اہل مجلس عش عش کر اٹھتے۔ کتب محاضرات و ادب' آپ سے متعلق اس قسم کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ (شاہکار رسالت)
یہ وہ شاعری ہے جو دلوں کی دنیا میں انقلاب پیدا کر کے' ہر دور کے فرعونوں' ہامانوں اور قارونوں کا تختہ الٹ کر رکھ دیتی ہے۔
قرآن کا پیغام' حیات کا پیغام ہے۔ انقلاب کا پیغام ہے۔ غلط نظام زندگی کی ہر بساط کو الٹ کر ان کی جگہ صحیح نظام زندگی متشکل کرنے کا پیغام ہے۔ یہ انسانی ذات کے نکھرنے اور حسن کائنات کے نکھارنے کا پیغام ہے۔ یہ خود سنور کر دنیا کے ہر بگاڑ کو سنوارنے کا پیغام ہے۔ یہ حیوانی سطح زندگی پر جینے والوں کو مقام آدمیت سے متعارف کرانے' اور آدم کو انسانیت کی سطح پر لے جانے کا پیغام ہے۔ یہ پیغام ہے انسان کو اس بلند مقام سے متعارف کرانے کا جہاں' وہ (نٹشے کے الفاظ میں) "اپنے مقدر کے ستاروں کو جھک کر دیکھے۔" نغمہ ہو یا شعر۔ رنگ ہو یا چنگ' اگر وہ اس پیغام حیات آور کا نقیب ہے' تو وہ حلال ہی نہیں' فریضہ حیات ہے۔ اور اگر وہ جیتے جاگتے انسانوں کو موت کا پیغام دیتا ہے' تو اس کے حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ یہ وہ آرٹ ہے جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا ہے کہ

تو ہے میت' یہ ہنر تیرے جنازے کا امام
نظر آئی جسے مرقد میں شبستان حیات

آرٹ وہی حیات بخش ہو سکتا ہے جس میں جلال اور جمال کا صحیح امتزاج ہو۔ اگر یہ نہیں تو اس کی حیثیت برگ حشیش سے زیادہ کچھ نہیں۔

دلبری بے قاہری جادوگری است   دلبری با قاہری پیغمبری است

یہ ہے' عزیزانِ من! میری بصیرت کے مطابق قرآن کریم کی رو سے آرٹ کی حیثیت۔

عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوق جمال
عجم کا حسن طبیعت۔ عرب کا سوز دروں

اگر بایں نرسیدی، تمام بولہبی است ـــ لہوگر دینے والی موسیقی کے اثرات کا اندازہ تو ہم بھارت کے ساتھ اپنی 1965ء کی جنگ میں کر چکے ہیں۔ 6 ستمبر کی صبح، لاہور پر ہندوؤں کے اچانک حملہ سے فضا میں جو اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، شام کو جب ریڈیو سے ـــ ساتھیو! مجاہدو! جاگ اٹھا ہے سارا وطن ـــ کی فلک شگاف آواز پورے دبدبہ اور طنطنہ کے ساتھ سکوت شکن ہوئی ہے تو اس نے ہوا کا رخ بدل دیا۔ اس سے دلوں میں نئے ولولے بیدار ہو گئے اور ہمتیں بلند تر ہوتی چلی گئیں۔ اس کے بعد، مسلسل سترہ دن تک، ملی ترانوں نے فضا میں جو ارتعاش پیدا کر رکھا تھا اس کے اثرات کی داستانیں ان سپاہیوں سے سنئے جن کے لئے یہ آوازیں، زندگی اور حرارت کا ہزار سامان اپنے جلو میں لئے، فردوس گوش بنتی تھیں اور ابھی یہ ہمارا پہلا تجربہ تھا ـــ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر پیغام حیات افروز کے ساتھ، مغنی آتش نفس کی نشید جلال انگیز بھی شامل ہو جائے تو یہ کس قدر وجہ فروغ جذبات ہو سکتے ہیں۔ اور جب ان جذبات سے، وحی کی روشنی میں کام لیا جائے تو شہپر انسانیت کی طرح "بال و پر روح الامیں" پیدا کر لیتا ہے ـــ میں اسے پھر دہرا دوں کہ فطرت کی طرف سے انسان کو جس قدر صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں وہ بجائے خویش نہ خیر ہیں نہ شر۔ ان کا استعمال خیر یا شر بنا دیتا ہے۔ اگر ان صلاحیتوں کو خدا کی عطا کردہ مستقل اقدار کے تابع رکھا جائے تو اس کا نتیجہ خیر ہی خیر ہوتا ہے خواہ وہ شعر و سخن کے حسین پیکر میں ہوں یا رنگ و چنگ کے حریری لباس میں ـــ انسانی صلاحیتیں!

لا دیں ہوں تو ہیں زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہوں دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

آرٹ کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، کیا یہ ہماری خوش نصیبی نہ ہو گی کہ اس کے متعلق شاہکار خداوندی، جلال و جمال کے اس حسین ترین پیکر اقدس و اعظمؐ کے ارشادات گرامی ہمارے لئے وجہ فروغ دیدہ ہوں۔ خالق کائنات نے عالمگیر انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ (حسین ترین ماڈل) قرار دیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ 1971ء میں، علامہ اقبالؒ نے ایک مختصر سا مقالہ سپرد قلم فرمایا جس کا عنوان تھا۔

جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ

اس مضمون میں اس مقالہ کا اضافہ، **تسبیح** کے دانوں میں امام کی حیثیت رکھتا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔
حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد کی عربی شاعری کی نسبت وقتاً فوقتاً جن ناقدانہ خیالات کا اظہار فرمایا ان کی روشنی صفحات تاریخ کے لئے خط شعاع کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن دو موقعوں پر جو تنقیدات آپؐ نے فرمائیں ان سے مسلمانان ہند کو آج کل کے زمانہ میں بہت بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا ادب ان کے قومی انحطاط کے دور کا نتیجہ ہے اور آج کل انہیں ایک نئے ادبی نصب العین کی تلاش ہے۔ شاعری کیسی ہونی چاہیے اور کیسی نہ ہونی چاہیے یہ وہ عقیدہ ہے جسے جناب رسالت مآب صلعم کے وجدان نے اس طرح حل کیا ہے۔ امراء القیس نے اسلام سے چالیس سال پہلے کا زمانہ پایا ہے۔ روایت ہمیں بتاتی ہے کہ جناب پیغمبر صلعم نے اس کی نسبت ایک موقع پر حسب ذیل رائے ظاہر فرمائی "اشعر الشعراء و قائدھم الی النار" یعنی وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم

کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امراء القیس کی شاعری میں وہ کون سی باتیں ہیں جنہوں نے حضور سرور کائنات صلعم سے یہ رائے ظاہر کروائی۔ امراء القیس کے دیوان پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں شراب ارغوانی کے دور' عشق و حسن کی ہوش ربا داستانوں اور جاں گداز جذبوں' آندھیوں سے اڑی ہوئی پرانی بستیوں کے کھنڈروں کے مرثیوں' سنسان ریتلے ویرانوں کے دل ہلا دینے والے منظروں کی تصویریں نظر آتی ہیں اور یہی عرب کے دور جاہلیت کی کل تخلیقی کائنات ہے۔ امراء القیس قوت ارادی کو جنبش میں لانے کی بجائے اپنے سامعین کے تخیل پر جادو کے ڈورے ڈالتا اور ان میں بجائے ہوشیاری کے بے خودی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنون لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے۔ صنائع و بدائع کے محاسن اور انسانی زندگی کے محاسن' ضروری نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر بہت اچھا شعر کہے لیکن وہی شعر پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کی بجائے اسفل السافلین کا تماشا دکھا دے۔ شاعری دراصل ساحری ہے اور اس شاعر پر حیف ہے جو قومی زندگی کی شکایات و امتحانات میں دلفریبی کی شان پیدا کرنے کی بجائے فرسودگی و انحطاط کو صحت اور قوت کی تصویر بنا کر دکھا دے اور اس طور پر اپنی قوم کو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ اس کا فرض ہے کہ قدرت کی لازوال دولتوں میں سے زندگی اور قوت کا جو حصہ اسے دکھایا گیا ہے اس میں اوروں کو بھی شریک کرے۔ نہ یہ کہ اٹھائی گیرہ بن کر جو رہی سہی پونجی ان کے پاس ہے اس کو بھی ہتھیا لے۔
ایک دفعہ عرب زبان کے مشہور شاعر **عنترہ** کا یہ شعر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا۔

ولقد ابیت علی الطوی واظلہ حتی انال بہ کریم الماکل

(ترجمہ) میں نے بہت سی راتیں محنت و مشقت میں بسر کی ہیں' تاکہ میں اکل حلال کے قابل ہو سکوں۔ رسولؐ اللہ جن کی بعثت کا مقصد وحید یہ تھا کہ انسانی زندگی کو شاندار بنائیں اور اس کی آزمائشوں اور سختیوں کو خوش آیند اور مطبوع کر کے دکھائیں اس شعر کو سن کر بے انتہا محظوظ ہوئے اور اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوق ملاقات نہیں پیدا کیا لیکن میں سچ کہتا ہے کہ اس شعر کے نگارندہ کے دیکھنے کو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے۔"
اللہ اکبر! توحید کا وہ فرزند اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جس کے چہرہ مبارک پر ایک نظر ڈال لینا نظارگیوں کے لئے دنیوی برکت اور اخروی نجات کی دوگونہ سرمایہ اندوزی کا ذریعہ تھا خود ایک بت پرست عرب سے ملنے کا شوق ظاہر کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس عرب نے اپنے شعر میں ایسی کون سے بات کہی تھی ؟
رسولؐ اللہ نے جو عزت عنترہ کو بخشی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ **عنترہ** کا شعر ایک صحت بخش زندگی کا جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویر ہے۔ حلال کی کمائی میں انسان کو جو سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں' جو کڑیاں جھیلنی پڑتی ہیں ان کا نقش پردہ خیال پر شاعر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے۔ حضور خواجہ دو جہان صلعم نے جو اس قدر شعر کی تعریف فرمائی اس سے صنعت کے ایک دوسرے بڑے اصول کی شرح ہوتی ہے کہ صنعت حیات انسانی کے تابع ہے اس پر فوقیت نہیں رکھتی۔
ہر وہ استعداد جو مبداء فیض نے فطرت انسانی میں ودیعت کی ہے اور ہر وہ توانائی جو انسان کے دل و دماغ کو بخشی گئی ہے ایک مقصد وحید اور ایک غایت الغایات کے لئے وقف ہے یعنی قومی زندگی جو آفتاب بن کر چمکے' قوت سے لبریز' جوش سے سرشار ہو' ہر انسانی صنعت اسی غایت آخرین کی تابع اور مطیع ہونی چاہیے اور ہر شے کی قدر و

قیمت کا معیار یہی ہونا چاہیے کہ اس میں حیات بخشی کی قابلیت کس قدر ہے۔ تمام وہ باتیں جن کی وجہ سے ہم جاگتے جاگتے اونگھنے لگیں اور جو جیتی حقیقتیں ہمارے گردو پیش موجود ہیں۔ (کہ انہیں پر غلبہ پانے کی نام زندگی ہے) ان کی طرف سے آنکھوں پر پٹی' باندھ لیں' انحطاط اور موت کا پیغام ہے۔ صنعت گر کو چنیا بیگم کے حلقہ عشاق میں داخل نہ ہونا چاہیے۔ مصور فطرت کو اپنی رنگ آرائیوں کا اعجاز دکھانے کے لئے افیون کی چسکی سے احتراز واجب ہے یہ پیش پا افتادہ فقرہ جس سے ہمارے کانوں کی آئے دن تواضع کی جاتی ہے کہ "کمال صنعت اپنی غایت آپ ہے۔" **انفرادی' اجتماعی** انحطاط کا ایک عیارانہ حیلہ ہے جو اس لئے تراشا گیا ہے کہ ہم سے زندگی اور قوت دھوکا دے کر چھین لی جائے۔ غرض یہ کہ رسول اللہ ؐ کے وجدان حقیقی نے **عنترہ** کے شعر کی خوبیوں کا جو اعتراف کیا اس نے اس اصل الاصول کی بنیاد ڈال دی کہ صنعت کے ہر کمال کی صحیح ارتقاء کیا ہونی چاہیے۔ ("ستارہ صبح" ۔ لاہور۔ 1917ء)

***

گولڈن جوبلی نغمہ

میرا میرا' پیارا پیارا' پاکستان پاکستان
تیرا تیرا' پیارا پیارا' پاکستان پاکستان
بچہ بوڑھا اور جوان' جان سے قربان
صبح و شام یہ گیت ہمارا' پاکستان پاکستان

کیاری کیاری' پھول پھول جن کی خوشبو سے
قریہ قریہ' مہکا سارا' پاکستان پاکستان
خانہ خانہ' کوچہ کوچہ' خوشیوں کی چہکار
چہرے روشن' روپ سراپا' پاکستان پاکستان

چشمہ چشمہ' دریا دریا' دولت کھیت کسان
محنت سے ہر کام سنوارا' پاکستان پاکستان
کالج' مکتب اور سکول' علم کی ہیں پہچان
ان پڑھ کوئی رہے نہ بابا' پاکستان پاکستان

الفت خدمت ہمدردی کا ہر سو نور پھیلائیں
حسن عمل قرآن پہ سارا' پاکستان پاکستان
میری منزل' تیری منزل' علم خودی کے ساتھ
ورد زباں ہو **الا اللہ** کا' پاکستان پاکستان

ملک حنیف وجدانی

کل پاکستان تقریری مقابلہ

زیر اہتمام ادارہ طلوع اسلام۔ 25۔ بی گلبرگ 2۔ لاہور فون :۔ 876219

ادارہ طلوع اسلام نے حسب سابق اس سال بھی کالج کے طلبا و طالبات کے لئے
کل پاکستان تقریری مقابلے کا اہتمام کیا ہے۔ موضوع ہے۔

حرام رزق کے راستے کس طرح بند ہو سکتے ہیں؟

طلبا و طالبات اپنے مقالے آڈیو یا ویڈیو کیسٹ پر اپنی آوازوں میں ریکارڈ کر کے 10 اکتوبر تک ادارہ کے دفتر میں پہنچا دیں۔ تقریر کا دورانیہ 15 منٹ سے زائد نہیں ہونا چاہیے۔
منتخب مقررین کو اپنا مقالہ پڑھنے کے لئے دعوت دی جائے گی۔ مقابلہ 26 اکتوبر 1997ء بروز اتوار۔ 3 بجے بعد دوپہر 25۔ بی گلبرگ 2۔ لاہور میں ہو گا۔

انعامات اول =/3000 روپے دوم =/2000 روپے سوم =/1000 روپے

نوٹ :۔ رابطے کے لئے اپنا فون نمبر ضرور دیجئے۔

****

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ (پشاور)

یوم مکافات عمل

اگست 1857ء تا اگست 1997ء

پانی کو آگ پر رکھنے کے ساتھ ہی گرم ہونے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور پھر سو درجہ سنٹی گریڈ پر کھولنا شروع ہو جاتا ہے۔ رکھنے اور کھولنے کے درمیانی وقفے کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ کوئی عمل وقوع پذیر نہیں ہو رہا۔ پانی کا کھولنا مقصود و مطلوب ہو تو کھولنے کے عمل کا خیال رکھنا ہو گا۔ پانی آگ پر رکھنے کے بعد انسان بے فکر ہو کر لیٹ جائے تو جاگنے پر آگ پر پڑا ہوا برتن ہی ملے گا۔ پانی بھاپ بن کر ہوا میں تحلیل ہو چکا ہو گا۔ اس میں نہ آگ کا قصور ہے' نہ پانی کی غلطی۔ یہ قانون ہے' ایسا ہو کر رہے گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غلطی کس کی تھی۔ خطا کار ظاہر ہے وہی ہو گا جس نے پانی آگ پر رکھا اور پھر بے خبر ہو گیا۔

نوے سال کی عظیم جدوجہد کے بعد ایک عظیم مملکت وجود میں آئی۔ 14 اگست 1947ء مسلمانان عالم کا بالعموم اور برصغیر کے مسلمانوں کا بالخصوص یوم مکافات عمل تھا۔

آج سے پچاس سال پہلے آج ہی کے دن' ریڈیائی لہروں پر قوم نے یہ مژدہ سنا۔ " یہ ریڈیو پاکستان ہے " اس آواز کے ساتھ ہی دو عظیم خطوں " مشرقی پاکستان " اور " مغربی پاکستان " میں ایک طرف شادیانے بجے تو دوسری طرف خون میں نہائے ہوئے لاکھوں بے سروسامان مہاجرین ان خطوں میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ یہ دونوں خطے مسلمانوں کے خوابوں کی تعبیر تھے۔ ان کے کانوں میں یہ صدا ابھی تک گونج رہی تھی کہ " پاکستان کا مطلب کیا **لا الہ الا اللہ** " یعنی حاکمیت صرف اللہ کی ہو گی۔ اس میں کسی کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ مگر ہوا کیا؟ یہ کلمات جن کے عملی نفاذ کے لئے پاکستان وجود میں آیا تھا' چوکوں' چوراہوں بڑی بڑی عمارتوں اور ریلوے سٹیشنوں پر لکھ دیئے گئے۔ مزید چمکانے کے لئے اس میں بجلی کی روشنی سمو دی گئی تاکہ منزل نگاہوں کے سامنے رہے۔ آج بھی ریل سے اترا تو یہ کلمہ لاہور ریلوے اسٹیشن کی بلند و بالا عمارت پر جگمگ جگمگ کر رہا تھا مگر میں نے دیکھا کہ مسافر اترے۔ تانگہ' ویگن میں سوار ہوئے اور اپنے اپنے گھر کو ہو لئے۔ منزل کا نشان پشت پر رہ گیا۔

پاکستان کی خشت اول درحقیقت اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن وادی فاران سے یہ آواز اٹھی کہ محمد رسول اللہ والذین معہ' ایک قوم کے افراد ہیں اور ان کے مخالف دوسری قوم کے لوگ ہیں۔ دو قومی نظریے کی بنیاد اسی دن رکھ دی گئی جس دن' رنگ' خون' نسل' زبان اور جغرافیائی وابستگیوں کے ہوتے ہوئے ابو جہل اور ابو لہب ایک قوم' بلال حبشی اور سلمان فارسی دوسری قوم کے افراد ٹھہرے۔ اس راز

کو سمجھنے والے تین مشاہیر قوم' قائد اعظم محمد علی جناحؒ' علامہ اقبالؒ اور علامہ غلام احمد پرویزؒ تھے۔ مسلم لیگ اگرچہ 1906ء میں وجود میں آ گئی تھی تاہم الگ وطن کا تصور 1930ء میں علامہ اقبالؒ کے خطبہ الہ آباد سے سامنے آیا۔

"مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ"

آپ کو یاد ہو گا کہ مسلم لیگ برصغیر کی وہ واحد جماعت تھی جس میں اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظریہ رکھنے والے شامل نہ ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے۔ مسلم لیگ کے مقابلے میں برصغیر کی کئی سیاسی جماعتیں موجود تھیں۔ ان میں سب سے بڑی جماعت کانگریس تھی جس کی بنیاد بمبئی میں ایک انگریز نے رکھی تھی اور اس جماعت میں ہندو' مسلم' سکھ' عیسائی' پارسی وغیرہ' سبھی مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ مسلم لیگ صرف مسلمانوں کی جماعت تھی' اب تو خیر سے اس میں ہندو' سکھ' عیسائی' قادیانی' پارسی اور **بالمیکی** بھی شامل ہیں۔ کہلاتی پھر بھی مسلم لیگ ہی ہے۔ یا للعجب!

ان مشاہیر نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا اور اپنے لئے منزل کا تعین کیا۔ کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ اس کا قیام یونہی عمل میں نہیں آگیا' لاکھوں گھر اجڑے' لاکھوں بچے یتیم ہوئے' انسانی خون سے آسمان سرخ ہو گیا' ماؤں کے پیٹ چاک کئے گئے' جوان عورتوں کو بے آبرو کیا گیا' ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر نہ جانے کس ماضی کی دشمنی کا انتقام مسلمانوں سے لیا۔ اتنی قربانیوں کے بعد وجود میں آنے والا ملک ربع صدی میں دولخت ہو گیا۔ آدھا ملک کھو کر ہم گولڈن جوبلی منا رہے ہیں! سوال یہ ہے کہ ہم نے جس منزل کا تعین کیا تھا کیا وہ ہمیں مل گئی ہے؟۔ اور اگر نہیں ملی تو پھر کس خوشی میں گولڈن جوبلی منائی جا رہی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ ترقی یافتہ قومیں پیچھے مڑ کر بہت کم دیکھتی ہیں کہ اتنی دیر میں کوئی اور آگے نہ نکل جائے۔ کیا چھ سو ماہ اور پچاس سال گزر جانے کا نام گولڈن جوبلی ہے۔ یا کسی Achievement کا نام گولڈن جوبلی ہے۔ حیوانات کی دنیا میں پچاس سال خیریت سے گزرنے کا نام زریں عہد ہو سکتا ہے لیکن انسانوں کی دنیا میں پرکھ کا معیار مختلف ہے۔ رکئے! ٹھہریئے! تھوڑی دیر کے لئے قرب و جوار پر نگاہ ڈالئے۔ ہم سے بعد میں آزاد ہونے والی مملکتیں ترقی یافتہ مملکتیں بن چکی ہیں اور ہم ادھار لے کر چوڑیاں خرید رہے ہیں۔ دشمن ملک کی تہذیب ہمارے ہاں تیزی سے سرایت کر رہی ہے۔ وہ سچ کہہ رہے ہیں کہ لڑنے کی ضرورت ہی نہیں' پیدل چل کر پاکستان فتح کر لیں گے۔ خدا وہ دن نہ دکھائے لیکن لگ یوں رہا ہے کہ حالت یہی رہی تو اکیسویں صدی کی سحر ہمارے لئے طوق غلامی لے کر نمودار ہو گی۔

اس وقت ملک دہشت گردی کی زد میں آ چکا ہے۔ فرقہ واریت نے اسے جہنم بنا دیا ہے۔ مسجدیں جو کل تک امن کا گہوارا تھیں آج خوف و ہراس کے مراکز بن گئی ہیں۔ معیشت تباہ حال ہے۔ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جو بچے ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے وہ بھی مقروض ہیں۔ ان حالات میں کسی دشمن کے آنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری حالت تو قرآن کے الفاظ میں یہاں تک پہنچ چکی ہے جس کے متعلق فرمان خداوندی ہے کہ:

"اتمام حجت کے بعد' اس قوم کی تباہی کا وقت آگیا۔ اس تباہی کے لئے ہمیں آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر

نہیں اتارنا پڑا۔ نہ ہی ہم قوموں کی تباہی کے لئے آسمان سے فرشتوں کے لشکر اتارا کرتے ہیں۔ ان کے اعمال خود ان کی تباہی کا موجب بن جاتے ہیں۔ اس قوم پر بس ایک جھپٹ پڑی جس سے کہرام مچ گیا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ ان میں زندگی اور حرارت کی رمق تک باقی نہ رہی۔ "

کس قدر تاسف انگیز ہے انسانوں کی حالت کہ جو شخص بھی زندگی اور حرارت کا پیغام خداوندی ان تک پہنچاتا ہے یہ اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

یہ تاریخی شواہد ہیں جنہیں ہم نے اس وقت مثال کے طور پر بیان کئے ہیں (اے رسولؐ) کیا یہ تمہارے مخاطب اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ان سے پہلے کتنی قومیں تھیں جنہیں ہم نے تباہ کر دیا اس لئے کہ وہ ان لوگوں کی طرف رجوع نہیں کرتی تھیں جو انہیں قوانین خداوندی کی طرف دعوت دیتے تھے بلکہ ان کی ہنسی اڑاتی تھیں۔

لیکن اگر یہ (تمہارے مخاطب) ان حقائق کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ ہمارے قانون مکافات کی گرفت سے بچ جائیں گے۔ یہ بھی اپنے پیش رووں کی طرح اپنے کئے کی سزا پائیں گے چنانچہ وہ وقت دور نہیں جب یہ، سب کے سب، صف بستہ حاضر کر دیئے جائیں گے کہ ہمارے قانون مکافات کے مطابق اپنے اعمال کے نتائج اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لیں۔

حکومت وقت نے مسجد کی طرف کوئی توجہ نہ دی

پاکستان وجود میں آگیا۔ قائد اعظمؒ کے ساتھ زندگی نے وفا نہ کی اور وہ قیام پاکستان کے تیرہ ماہ بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ عنان حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جو نہ تو حکومت کرنے کا عملی تجربہ رکھتے تھے، اور نہ ہی قوانین خداوندی کا نفاذ ان کے پیش نظر تھا۔ دور ملوکیت کی ایجاد قیصر اور کلیسا کے اداروں جو پہلے سے موجود تھے انہیں اپنا لیا گیا۔ مساجد میں جو نفرتیں عرصہ دراز سے پروان چڑھ رہی تھیں ان کی طرف توجہ دینے کی کسی کو فرصت ہی نہ تھی۔ سیاستدان لوٹ کھسوٹ میں مگن رہے اور علماء فرقہ واریت کی جڑیں مضبوط کرنے میں مشغول۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ منظر کشی کیا کروں حالات آپ کے سامنے ہیں۔

پچاس سال میں آج تک یہی فیصلہ نہ ہو سکا کہ بچوں کی تعلیم کا نصاب کیسا ہونا چاہیے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی غفلتوں کی تلافی کرلیں اور ہمیشہ کے لئے طے کریں کہ ہماری زندگی کا نصب العین قرآن کریم کی ابدی صداقتوں کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ بچوں پر ایک مرتبہ یہ واضح ہو جائے کہ قرآن اصول حیات اور مستقل اقدار فراہم کرتا ہے۔ جزیات کا تعین وہ انسانوں پر چھوڑتا ہے کہ قرآنی اقدار کو عملی جامہ پہنانے کے لئے طریق کار وہ اپنے زمانے کے تقاضوں اور عہد ماضی کے نظائر کو سامنے رکھتے ہوئے باہمی مشاورت سے خود طے کریں گے۔ تعلیمی نصاب میری نظر میں اس وقت تک مسلمان نہ ہو سکے گا جب تک ہم " از کلید دیں در دنیا کشاد " کی پالیسی پر عمل پیرا نہ ہوں گے۔ اس وقت محتاط اندازے کے مطابق ہر سال تقریباً پندرہ سے بیس ہزار مولوی صاحبان تیار ہوتے ہیں۔ ڈگری حاصل کر کے وہ کوئی نہ کوئی مسجد

سنبھال لیتے ہیں۔ وہ مساجد جنہیں خداوند کریم نے دارالامن قرار دیا ہے ان حضرات کے طفیل دارالحرب بن چکی ہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آئین میں فرقوں کو تحفظ دیا گیا ہے۔ اور لفظ فرقہ اپنے لئے استعمال کرتے ہوئے نہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ رسولؐ سے شرم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اللہ کا واضح فرمان ان کے سامنے ہوتا ہے جس میں کہا ہی یہ گیا ہے کہ:

> " دیکھنا تم کہیں اسلام لانے کے بعد' مشرک نہ ہو جانا' یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کئے اور خود ایک الگ گروہ بن کر بیٹھ گئے پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ جس طریق پر میں چل رہا ہوں وہ حق کا طریق ہے۔"

پھر فرمایا۔

> جو لوگ دین میں فرقے پیدا کرلیں اور خود ایک گروہ بن بیٹھیں (اے رسولؐ) تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔(30/31-32/6:160)

قانون کی بالادستی

قانون وہی قانون ہے جسے ہر قسم کی شخصیات پر بالادستی حاصل ہو۔ اگر ایسا نہیں تو قانون مکڑی کے جالے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ جس میں مچھر تو پھنس جاتا ہے لیکن بھڑ' پورے جالے کو اپنے پروں میں اڑا کر لے جاتی ہے۔ ہم نے پچاس سال میں یہی دیکھا ہے۔ قانون کی بالادستی کا کوئی تصور نہیں' ایک فرد کے لئے قانون بنتا ہے اور پھر (کبھی کبھی) وہ خود ہی اپنے بنائے ہوئے قانون کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں قانون خداوندی ایک عام آدمی سے لے کر نبی تک محیط ہوتا ہے۔ اور قانون ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔ کہ خود خدا کا نبی یہ کہے

" اگر میں قانون خداوندی کی خلاف ورزی کروں تو مجھے ڈر ہے کہ میں بھی خدا کے مواخذہ سے نہیں بچ سکتا۔" (6:15)

گولڈن جوبلی کسی بھی صورت میں روشنیوں' قمقموں' اگربتیوں' شمعوں' لائٹوں اور بلبوں کے جلانے کا نام نہیں' نہ ہی کپڑے' کاغذ اور پلاسٹک کے پھریروں کو ہوا میں لہرانے کا نام ہے۔ ہاتھ سے ہاتھ ملا کر سرحد سے کراچی تو کیا اگر نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر تک بھی زنجیر بنا لی جائے تو یہ گولڈن جوبلی نہیں ہو گی۔ جب تک دل سے دل نہ جڑے ہوں' خود احتسابی کا احساس نہ ہو' حاکم اور محکوم کے درمیان کھڑی دیوار گرا نہ دی جائے' اس وقت تک ہم گولڈن جوبلی منانے کے حقدار ہو ہی نہیں سکتے۔ توپیں داغنا' ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جھوٹی شان کا اظہار' دولت اور غیر ضروری جاہ و حشم کی نمائش ہمارے جیسے ترقی پذیر مقروض ملک کو کہاں زیب دیتی ہے۔

آیئے قرآن اور صرف قرآن کو ہاتھ میں تھام کر تمام فرقہ بندیوں کو سلام کہیں۔ یہ کر لیجئے اور پھر دیکھئے اللہ کی ربوبیت کے نور سے یہ زمین کس طرح جگمگا اٹھتی ہے؟

***

وہ کون سا دماغ ہے ---

جس میں -- اس قسم کے سوالات نہیں ابھرتے کہ :

- ○ کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوتی ہے ؟
- ○ کیا سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ؟
- ○ کیا غریبوں کی قسمت ہی ایسی ہے کہ وہ ساری عمر دھکے کھاتے رہیں ؟
- ○ کیا خدا کو ایسا ہی منظور ہے ؟
- ○ کیا موت کا ایک دن مقرر ہے یا وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتی ہے ؟
- ○ بعض بچے پیدائشی اندھے 'لولے' لنگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ بھی خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟
- ○ اگر خدا کے ہاں عدل ہے تو وہ ظالموں کو ظلم سے کیوں نہیں روکتا ؟
- ○ کیا دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے ؟ اگر نہیں بدلتی تو ہم دعا کیوں کرتے ہیں ؟

یہ' اور اسی قسم کے دیگر سوالات کا تعلق **مسئلہ تقدیر** سے ہے جس نے انسانی ذہن کو ہمیشہ طلسم پیچ و تاب بنائے رکھا ہے۔

یہی وہ مسئلہ تھا جس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے **کارل مارکس** نے کہہ دیا کہ:

مذہب عوام کے لئے افیون ہے

جناب **پرویزؒ** نے -- دنیا کے اس مشکل ترین مسئلہ کو -- اپنی تصنیف

کتاب التقدیر

میں 'قرآن کریم کی روشنی میں 'اس عمدگی سے حل کر دیا ہے کہ اس کے بعد ذہن میں کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ)
سٹوڈنٹ ایڈیشن =/Rs 110
اعلیٰ ایڈیشن =/Rs 220

نیجر طلوع اسلام ٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلیم عبدالقیوم (لاہور)

فرقہ واریت ۔ آسان حل

فرقہ وایت برصغیر میں کسی نہ کسی رنگ میں ہمیشہ سے موجود رہی ہے تاہم بندوق کا استعمال اس میں پہلی دفعہ دیکھنے میں آیا ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ مذہب کے نام پر ہونے والی غارت گری کا ذمہ دار کون ہے؟۔ مولوی؟ وطن دشمن عناصر یا سیکولر ذہن رکھنے والے دانش وران قوم؟ ذمہ دار کوئی بھی ہو' پلیٹ فارم اس کے لئے چونکہ مذہب کا استعمال ہو رہا ہے اس لئے تفتیش کا آغاز مذہب ہی سے کرنا ہو گا۔ سب سے پہلے یہ دیکھنے کہ مذہب کے نام پر اختلاف ہے کیا؟ چند فروعی مسائل جن کا ہماری عملی زندگی سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ ہمارے سامنے اللہ کی کتاب ہے' اسوہ رسولؐ ہے یا صحابہ کرامؓ کی زندگیاں۔ صحابہ کرامؓ کے متعلق اللہ کی یہ سند قرآن پاک میں موجود ہے کہ " وہ مجھ سے راضی ہو گئے میں ان سے راضی ہو گیا " خالق کائنات کی اس سند کے بعد کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان میں سے کسی کی ذات کو زیر بحث لا کر دوسروں کی دل آزاری کا باعث بنے یا کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ دوسروں کے ایمان کو ٹٹولتا پھرے۔ دوسروں کو کافر' ملحد' بے دین' منکر حدیث یا منکر سنت کہنا اور ان کے انکار کے باوجود مسلسل کہتے چلے جانا ہمارے ہاں مذہبی حلقوں میں فیشن بن چکا ہے۔ ایک تفرقہ ہمارے ہاں قادیانیوں کا تھا' اسے ہم قومی سطح پر حل کر چکے ہیں۔ یہ طے ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں مگر ہمارا مذہبی حلقہ یہ کھاتہ بھی ہر روز کھولے رکھتا ہے۔ میری نظر میں یہ مسئلہ اتنا گھمبیر ہے ہی نہیں۔ فتویٰ جاری کرنے کا حق سپریم کورٹ تک محدود کر کے پاکستان میں رہنے والے کسی مسلمان کو کافر' ملحد' مشرک و بے دین یا منکر حدیث کہنا یا مسلمان کے علاوہ کسی اور نام سے پکارنا قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دے دیجئے پھر دیکھئے مسلمانوں میں محبت' اخوت اور روا داری کتنی سرعت سے پلٹ آتی ہے۔ مذہب کی دنیا سے الزام تراشی اور بہتان طرازی کی وبا ختم کر کے تفرقہ بازی سے پاک تبلیغ کو رواج دیجئے خواہ اس کے لئے دو چار ہلال پاکستان ہی کیوں نہ خرچ کرنے پڑیں۔ یہ کر دیجئے۔۔۔ فرقہ واریت کا جن خود ہی رام ہو جائے گا۔

یہ کام اگر ملک دشمن عناصر کا ہے تو ملک دشمن عناصر مسجدوں پر حملے اس لئے نہیں کر رہے کہ نمازیوں سے انہیں کوئی عناد ہے۔ وہ مسجدوں پر حملہ آور صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ فرقہ واریت کی زہر آلود فضا میں ان کا نگاہوں سے اوجھل رہنا نسبتاً" آسان ہے۔ رہے سیکولر ذہن رکھنے والے انشوران قوم تو ان کا وجود ہمارے لئے نہ نیا ہے نہ اجنبی۔ تحریک پاکستان کے دوران بھی وہ یہی کہتے کہ ہندو جب نماز روزے کی اجازت دیتا ہے تو الگ وطن بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ وہ آج بھی

یہی کہتے ہیں کہ کاروبار حکومت میں اسلام کا کیا کام؟ ہو سکتا ہے اپنے کاز کو مضبوط بنانے کے لئے مذہبی حلقوں میں افرا تفری پیدا کرنا انہی کا کوئی حربہ ہو۔ اسے یکسر رد تو نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کا تدارک اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمارا مذہبی حلقہ یہ بات ہمیشہ کے لئے طے کر دے کہ دین کو حصوں' بخروں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان کہلانا ہے تو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونا پڑے گا۔ پبلک اور پرسنل لاز کی تخصیص یکسر غیر اسلامی ہے اسے ختم کر دیجئے سیکولر ذہن کی آس ٹوٹ جائے گی اور یوں فرقہ واریت کو نہ ملک دشمنوں کی دہشت گردی سے تقویت ملے گی نہ سیکولر ذہنوں کی دیسیسہ کاریاں اس میں اضافہ کر سکیں گی۔

یاد رہے کہ ہر مسلمان کو اپنا عقیدہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا جان اور مال مگر یہ کیا ہے کہ اس کی جان اور مال کے تحفظ کے لئے تو قوانین موجود ہیں لیکن اس کے عقائد پر جس کا دل چاہتا ہے فتویٰ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی اتنا زور دار کہ اس کے بعد نہ اس کی جان محفوظ رہتی ہے نہ مال۔ سوچتا ہوں آج کی مہذب دنیا میں ایسا کیوں ممکن نہیں کہ عدالت عالیہ میں جرم ثابت کئے بغیر کوئی کسی کے خلاف فتویٰ دینے کا مجاز نہ ہو' اور نہ ہی ملکی قوانین کے خلاف فتوے نشر کر کے عوام کو قانون کے احترام سے بدظن کیا جائے۔ قانون سازی اور قوانین پر رائے زنی کے لئے مناسب فورم موجود ہونے کے علی الرغم ہر محراب و منبر سے فتویٰ جاری کرنے کی اجازت کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

***

اعتذار

اگست 1997ء کے شمارہ میں محترم محمد عمر دراز مرحوم کو پیش کیے گئے گلہائے عقیدت میں ایک جملے کی وضاحت کرتے ہوئے مرحوم کی اہلیہ محترمہ نے ناظم ادارہ کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ مرحوم محمد عمر دراز ایک فرم کے مالک اور ایک کاروباری آدمی تھے انہوں نے اگر کسی کا کچھ دینا تھا تو کسی سے لینا بھی ہو گا۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ وہ" قروض تھے۔

مدیر طلوع اسلام

PAMPHLETS -- پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس بحساب ایک روپیہ فی پمفلٹ، علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

1۔ دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے
2۔ اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
3۔ اسلامک آئیڈیالوجی
4۔ الصلوٰۃ
5۔ تحریک طلوع اسلام کا مقصد و مسلک
6۔ الزکوٰۃ
7۔ فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
8۔ کافر گری
9۔ کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے
10۔ مرض۔ تشخیص اور علاج
11۔ ہندو کیا ہے
12۔ جہاں مارکس ناکام رہ گیا
13۔ عورت قرآن کے آئینے میں
14۔ وحدت ملت
15۔ مقام محمدیؐ
16۔ سوچا کرو
17۔ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
18۔ اندھے کی لکڑی
19۔ احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
20۔ ISLAMIC IDEOLOGY
21۔ اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے۔
22۔ دعوت پرویزؒ کیا ہے ؟
23۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (10 روپے)

(سرکولیشن مینجر۔ ماہنامہ طلوع اسلام)

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اسلم صابر

ہلکی پھلکی باتیں

روزمرہ گفتگو میں ہمیں عموماً" تین قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک وہ ہیں جو قرآن کے حوالہ سے بات کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے مل کر خوشی بھی حاصل ہوتی ہے اور دوران گفتگو سیکھنے سکھانے کا موقع بھی ملتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔ روایات سے ہٹ کر وہ کوئی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو بظاہر روشن خیال نظر آتے ہیں لیکن مذہب کی تنگناؤں میں ویسے ہی محصور۔ ایسے ہی ایک صاحب سے پچھلے دنوں ملاقات ہوئی۔ فرمانے لگے علامہ پرویز مرحوم کی تحریریں علم و ادب کا شاہکار ہیں کاش وہ روحانیت کے بھی قائل ہوتے۔ اب انہیں کون بتائے کہ پرویز صاحب" کی تحریروں کا تو نقطہ ماسکہ ہی Development of Personality ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کے حصول کے لئے وہ انسان کو عملی زندگی سے الگ کر کے غاروں حجروں اور خانقاہوں میں نہیں لے جاتے۔ ایک اور صاحب کو جو پرویز صاحب" کی قرآن فہمی سے متاثر ہی نہیں، معترف بھی ہیں، دکھ ہے کہ کاش پرویز صاحب" حدیث کو بھی کوئی مقام دیتے۔ معلوم ہوتا ہے بہت کچھ پڑھنے کے باوجود پرویز صاحب" کی کتاب مقام حدیث ان کی نظر سے نہیں گزری۔ اس کتاب کا تو نام ہی مقام حدیث ہے۔ ایک اور صاحب کا کہنا ہے کہ نظام ربوبیت کے نام سے پرویز صاحب" نے معاشی نظام کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے لیکن اس میں کیمونزم کی جھلک کچھ زیادہ ہی دکھائی دیتی ہے۔ کاش یہ صاحب جان لیتے کہ نظام ربوبیت، اور کیمونزم میں " روٹی " "کپڑا " اور " مکان " قدر مشترک ضرور ہے لیکن ان میں اول الذکر سوشل سسٹم جمع اللہ اور دوسرا سوشل سسٹم منفی اللہ ہے۔ زندگی کے ہر دو فلسفوں پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے علامہ پرویز" نے اسی بنیاد پر کیمونزم کو انسانیت کے خلاف عالمگیر سازش قرار دیا ہے۔ ایک اور صاحب کو اعتراض ہے کہ قرآنی قوانین کے نام سے مختصر کتاب لکھ کر پرویز" نے قرآن کو محدود کر دیا ہے۔ یہ کتاب ان کے خیال میں بہت ضخیم ہو سکتی تھی۔ عرض کیا ایک سو بہتر صفحات تو بہت بڑی بات ہے آپ ان میں سے دو قوانین، ایک یہ کہ " انسان ہونے کی جہت سے ہر انسان یکساں واجب التکریم ہے " اور دوسرا یہ کہ " ہر فرد کے رزق کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے " نافذ کروا دیجئے۔ پھر دیکھئے حالات کس طرح پلٹا کھاتے ہیں۔

ایک بہت ہی پیارے دوست ختم نبوت کے گرداب میں الجھے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے کبھی قرآن سے ہٹ کر بھی کچھ کہہ لیا کرو۔ میں نے کہا چلئے یہ بھی سہی، عملی زندگی سے دو ایک مثالیں پیش کروں گا۔ غور سنئے۔ ہمارے ہاں صفر سے نو تک ہندسے ہیں۔ ہر ہندسہ اپنی جگہ ایک مستقل قدر ہے۔ حساب جب

معرض وجود میں آیا ہے ساری دنیا انہی دس ہندسوں سے کام لے رہی ہے۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود گیارہویں ہندسے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کمپیوٹر جس نے دنیائے علم و ہنر میں دھوم مچا رکھی ہے ان میں سے صرف دو ہندسے، صفر اور ایک استعمال کرتا ہے۔ انگریزی زبان سے آپ کو بہت پیار ہے۔ اس میں کل چھبیس حروف ہیں اور یہی کافی ہیں۔ موسیقی کی دنیا میں قدم رکھیں تو وہاں بھی سات سروں سے کام لیا جاتا ہے۔ ساری کائنات کا انحصار سات رنگوں پر ہے۔ زندگی کے ان شعبوں میں کوئی موجد، کوئی تخلیق کار کوئی مصلح اس دن آئے گا جس دن دنیا گیارویں ہندسے، ستائیسویں حرف، آٹھویں سر یا آٹھویں رنگ کی ضرورت محسوس کرے گی، چاہے اس پر کتنی ہی صدیاں کیوں نہ گزر جائیں۔ ایسا اس لئے نہیں ہو گا کہ ان صنفوں کی تکمیل ہو چکی ہے اور جب کوئی چیز مکمل ہو جائے تو اس میں نہ اضافے کی گنجائش ہوتی ہے نہ اضافہ کار کی ضرورت۔ چلئے آگے بڑھتے ہیں ایک کاریگر جب بھی کوئی مشین ایجاد کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ایک Service Manual تحریر کرتا ہے جس میں اس مشین کی بہتر کارکردگی، دیکھ بھال اور مرمت کے لئے ہدایات درج ہوتی ہیں۔ یہ مشین جس ملک میں بھیجی جاتی ہے Manual اسی ملک کی زبان میں ارسال کی جاتی ہے۔ اس سے آگے بڑھیں تو انسانی زندگی نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ زمین پر انسان کی اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا تو آگے بڑھنے کے لئے اسے ہدایات کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے بے شمار انبیاء مبعوث فرمائے۔ ہر نبی پہلے نبی کے سبق کو دہراتا اور اپنے حصے کا سبق پڑھاتا چلا گیا تاآنکہ انسانی شعور بلوغت کی حدوں کو چھونے لگا اور وقت آگیا کہ موسیقی کے آخری سر، ریاضی کے آخری ہندسے اور رنگوں کے آخری عنصر کی طرح، انسانیت کا ماڈل بھی مکمل کر دیا جائے۔ چنانچہ دنیائے انسانیت کی جس غزل کا مصرع طرح حضرت نوحؑ نے پڑھایا تھا اس کی تکمیل نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰؐ کے سپرد ہوئی اور اس طرح خالق کائنات نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری بار کہہ دیا۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعل راہ کی ضرورت نہ رہی۔ لہٰذا اب اگر کوئی دعویٰ نبوت کرتا ہے تو اسے بتانا ہو گا کہ وہ کون سی نئی چیز لایا ہے جس کی جھلک اس ذات اقدس کے نقوش قدم میں جگمگ نہ کر رہی تھی، جسے انسانیت کے لئے ماڈل قرار دے کر نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لئے وطن عزیز کے مفکرین کے دو اقتباس پیش کرنے کی اجازت بھی چاہوں گا۔

علامہ غلام احمد پرویزؒ

اس نے پیشوائیت ہی کو ختم نہیں کیا بلکہ خود سلسلہ نبوت کو بھی یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ نوع انسان کی راہنمائی کے لئے جس قدر اصولی تعلیم کی ضرورت تھی اسے مکمل شکل میں دے کر قرآن (کی دفتین) میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اب انسان ان اصولوں کی روشنی میں زندگی کے بدلنے والے تقاضوں کا حل اپنے علم و بصیرت کی رو

سے خود تلاش کرے گا۔ اب یہ بچہ جوان ہو گیا ہے۔ اب اسے کسی انگلی پکڑ کر چلانے والے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کے سامنے قرآن کے اصول اور ان کی عملی شکل اس نظام کا نقشہ ہے جسے محمدؐ رسول اللہ والذین معہ ' نے قائم کیا تھا۔ اس کے بعد اسے کسی " آنے والے " کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ جسے آنا تھا آخری بار ساری دنیا کے لئے بشیر و نذیر بن کر آگیا۔ (سلیم کے نام بائیسواں خط)

اور اب یہی بات علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

اس نقطہ خیال سے دیکھئے تو پیغمبر اسلام دنیائے قدیم و جدید کے درمیان بطور حد فاصل کھڑے دکھائی دیں گے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ آپ کی وحی کا سرچشمہ کیا ہے تو آپ دنیائے قدیم سے متعلق نظر آئیں گے۔ لیکن اگر اس حقیقت پر نظر کی جائے کہ آپ کی وحی کی روح کیا ہے تو آپ کی ذات گرامی دنیائے جدید سے متعلق نظر آئے گی۔ آپ کی بدولت زندگی نے علم کے ان سرچشموں کا سراغ پا لیا جن کی اسے اپنی نئی شاہراہوں کے لئے ضرورت تھی۔ اسلام کا ظہور استقرائی علم کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی اور اس تکمیل سے اس نے خود اپنی خاتمیت کی ضروت کو بے نقاب دیکھ لیا۔ اس میں یہ لطیف نقطہ پنہاں ہے کہ زندگی کو ہمیشہ کے لئے عہد طفولیت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اسلام نے اپنی پیشوائی اور وراثتی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن کریم غور و فکر اور تجارب و مشاہدات پر بار بار زور دیتا ہے۔ تاریخ اور فطرت دونوں کو علم انسانی کے ذرائع ٹھہراتا ہے یہ سب اسی مقصد کے گوشے ہیں جو ختم نبوت کی تہ میں پوشیدہ ہیں۔

(خطبات۔ بحوالہ سلیم کے نام بائیسواں خط)

گفتگو ابھی جاری تھی کہ میرے دوست پکار اٹھے کہ بذریعہ وحی کچھ ہدایات مرزا صاحب بھی تو لائے ہیں۔ عرض کیا دکھا دیجئے۔ کہنے لگے پھر سہی اور وہ پھر کبھی نہ آئی۔ سرراہ ایک اور صاحب ملے۔ کہنے لگے فرقہ واریت کا علاج؟۔ میں نے کہا فرقے ختم کر دیں فرقہ واریت خود بخود ختم ہو جائے گی۔ کہا کیسے؟۔ میں نے کہا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ کہنے لگے کہ یہ تو مشکل ہے۔ ایک اور صاحب کو گلہ ہے کہ قرآن میں جزیات نہیں ہیں۔ میں نے کہا نہ سہی حدود تو ہیں آپ ان کا خیال رکھ لیا کریں۔ اچھا تو نماز کیسے پڑھیں؟ میں نے کہا جیسے لوگ پڑھتے ہیں۔ آپ کیسے پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا میں نماز کے لئے جا رہا ہوں آیئے خود ہی دیکھ لیجئے۔ باقی پھر....

❁ ❁ ❁

مرنے کے بعد کیا ہو گا؟

ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے' لیکن اس کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ انسانی ذہن
کا جواب دے ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کا دائرہ کار دنیاوی زندگی تک محدود ہے۔

اس کا جواب قرآن مجید ہی دے سکتا ہے

کیونکہ وہ اس خدا کی کتاب ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ لیکن قرآن مجید کے ان حقائق
سمجھنے کے لئے بڑے وسیع علم اور گہری فکر کی ضرورت ہے!

مفکر قرآن جناب پرویزؒ نے اپنے مدت العمر کے غور و فکر کے بعد ان حقائق کو اپنی معرکہ آراء تصن

جہان فردا

میں صاف' سادہ لیکن دلکش انداز میں پیش کر دیا ہے۔ اس میں موت و حیات' برزخ' حشر' نشر
قیامت' حساب کتاب' اعمالنامہ' میزان' جنت' دوزخ اور حیات جاوداں وغیرہ تمام مباحث آ
گئے ہیں!

یہ بڑی بصیرت افروز اور حقیقت کشا کتاب ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک' پیکنگ خرچ)
سٹوڈنٹ ایڈیشن =/Rs 90
اعلیٰ ایڈیشن =/Rs 180

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ رحمت اللہ طارق

قبروں سے جی اٹھنا۔ مادی جسم کے ساتھ ہو گا یا روحانی؟

☆ (یہ انسان) کہتے ہیں کہ ہڈیاں جب بوسیدہ ہو جائیں گی تو انہیں کون زندہ کرے گا؟ (36:78)

☆ انہیں کہہ دو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ (36:79)

☆ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں اکٹھی نہ کر سکیں گے؟ (75:3)

☆ ضرور کریں گے اور ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔ (75:4)

☆ کیا اس وقت کو نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں۔ باہر نکال لئے جائیں گے۔ (100:9)

☆ اور اس وقت کو یاد رکھو جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ (82:4)

☆ جب صور پھونکا جائے گا تو یہ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔ (36:51)

ان تمام آیات میں قبروں سے اٹھنا "مادی جسم" کے ساتھ مترشح ہوتا ہے۔ حالانکہ ذیل کی آیات واضح کرتی ہیں کہ یہ وجود نہیں ہوں گے نئے جسم تخلیق کئے جائیں گے۔ فرمایا

☆ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کی مثل دوسرے انسان پیدا کر دے؟ (36:81)

☆ وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے لوگ پیدا کر دے؟ (17:99)

☆ ہم نے تمہارے لئے موت کو مقدر کر دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں کہ تمہاری طرح کے اور لوگ تمہاری جگہ پر لے آئیں اور تم کو اس طرح بنا ڈالیں جس کا تمہیں علم ہی نہ ہو (56:60-61)

☆ ہم نے ان کو پیدا کیا اور ان کے جوڑوں کو مضبوط بنایا اور اگر ہم چاہیں تو ان کے بدلے ان ہی کی مثل کے اور لوگ لے آئیں۔ (76:28)

☆ تم اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے وہ اگر چاہے تو تم کو نابود کر دے (اور تمہاری جگہ) نئی مخلوق پیدا کر دے۔ (14:19)

قول فیصل

یہ تمام باتیں شہاب الدین آلوسی کے پیش نظر بھی تھیں اور مسلک کے لحاظ سے آپ "معاد جسمانی"

کے قائل تھے اس کے باوصف آپ کو یہ اعتراف بھی کرنا پڑا کہ۔ " اگر معاد جسمانی دین کی ایسی ضروریات میں سے نہ ہوتا جس کا انکار کفر کے مترادف ہے تو **عقلاً** " کوئی شے مانع نہ ہو سکتی تھی کہ یہ عذاب و ثواب سب روحانی قسم کے تسلیم کئے جائیں۔" (بحوالہ المنار طبع مصر جلد 5/166/5 تا 7)

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ معاد جسمانی یا روحانی کی بابت بڑے بڑوں کے " پتے " پانی ہو جاتے تھے اور وہ کھل کر کچھ کہنا خطرے سے خالی نہ سمجھتے تھے۔ تاہم " المنار " کے مصنف نے کھل کر کچھ باتیں کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

ہم نے (المنار ہی کے) مختلف مقامات پر واضح کر دیا ہے کہ سزا نافذ کرنے کے لئے قوم کا یہ طے کر لینا کہ جب تک بعینہٖ دنیاوی جسموں کے ساتھ اٹھنے کا عقیدہ نہ رکھا جائے گا انصاف ظاہر نہ ہو سکے گا کچھ بنیادی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ عصر حاضر کے تمام بڑے بڑے جج بخوبی جانتے ہیں کہ انسان کا یہ بدن ہر چند سال کے بعد تجدید ہوتا رہتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی ذی شعور یہ نہیں کہتا کہ مجرم نے جس جسم کے ساتھ جرم کا ارتکاب کیا تھا اس کے تحلیل ہونے کے بعد سزا " ساقط " ہو جائے گی!

پس حقیقت جب یہ ہے کہ ہمارے پاس قرآن اور حدیث متواتر کی ایک بھی سند ایسی نہیں ہے جو جسموں کے بعینہٖ اٹھائے جانے کا اشارہ کرتی ہو تو کچھ ضروری نہیں کہ ہم لامحالہ کسی اعتراض کا نشانہ بنیں یا " جسمانی بعثت " کا تکلف قبول کر لیں؟ --- کیونکہ یہاں تبدیلی پر تو اعتراض ہے نہیں۔ اعتراض اگر ہے تو اس بات پر ہے کہ جسم کی طرح روح بھی تبدیل ہو گی کہ نہیں؟ --- سو ظاہر ہے کہ **انسان** کی حقیقت روح سے وابستہ ہے جو ناقابل تغیر ہے اور یہاں جتنے تغیرات آئے اور بارہا ان **تبدیلیوں کا نشانہ اگر بنتے** ہیں تو وہ ہمارے جسم ہی ہیں اور ان کی تبدیلی سے نہ تو ہماری حقیقت تبدیل ہوئی ہے اور نہ ہی ہمارے ادراکات بلکہ نہ ہی ہمارے ان اعمال کی تاثیر تبدیل ہوئی جو تبدیلی سے پہلے ہم سے سرزد ہوئے۔ تو گویا یہ تبدیلی اسی نوعیت کی ہو گی جو نوعیت ہمارے کپڑے بدلنے کی ہے اور یہ وہ حقائق ہیں جن کا ہمارے علم کلام کے شناوروں نے اس وقت ادراک کیا تھا جب کہ مسئلہ موجودہ تشریحات کے مطابق ان کے سامنے تھا ہی نہیں!" (المنار جلد 8/473/12 تا 22)

یہ جسم جب فنا ہوتا ہے تو پہلی حالت پر لوٹ کر نہیں آتا

" المنار " کے مصنف کے بقول دنیاوی جسموں کے ساتھ جی اٹھنے کی سند نہ تو قرآن میں ہے اور نہ ہی ایسی حدیث میں جسے متواتر کا یقینی درجہ حاصل ہو۔۔ اب اس کی طبعی وجوہات ملاحظہ ہوں۔

یہ جسم جن " عناصر " سے ترکیب پاتا ہے ان میں " مادہ " بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے تحلیل و ترکیب کی " قدرتی لیبارٹری " میں پیش کیا جاتا رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کا کچھ حصہ پے درپے کئی جسموں میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح انسان اور بہت سے دیگر حیوانات میں سے وہ مردہ مخلوق بھی ہے جسے **مچھلیاں** اور وحشی جانور کھا جاتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو جلائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی

راکھ کے اجزاء ہوا میں منتشر ہو کر ہر بھاپ دار (اور Gaseous) شے کا جز بن جاتے ہیں۔ ڈوبے پانی (سمندر) کے بخارات مع دونوں عناصر اور کاربن کے

اسی طرح بعض مردے جب زمین میں دفن کئے جاتے ہیں وہ مٹی میں مل کر مٹی بن جاتے ہیں اور آگے چل کر اسی مٹی پر اگنے والے نباتات اور سبزیاں اس سے غذا حاصل کرتی ہیں جو خود انسانوں اور حلال جانوروں کی غذا میں شامل ہیں۔ اس طرح یہ مردے یک گونہ انسانی غذا کا جزو بن جاتے ہیں کیونکہ یہ انسان ان ہی مچھلیوں اور حلال جانوروں کو کھا جاتے ہیں جو بالواسطہ اور بلاواسطہ مردے سے غذا حاصل کر کے لذت کام و دہن کا کام دے جاتے ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی انسانی جسم ان غذائی دشواریوں سے بچ نہیں سکتا۔

نہ صرف یہ کہ مردہ جسم ہی تحلیل و تجزیہ کے مراحل سے گذرتے ہیں " زندہ اجسام " کو بھی تحلیل و تجزیہ " سے واسطہ پڑتا رہتا ہے کہ رفتہ رفتہ ان میں بھی تحلیل و **اضمحلال** کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ انسان کا بچپن ' جوانی ' اور بڑھاپا اسی تحلیل و **اضمحلال** پر زندہ شہادت ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جسم انسانی کے اجزاء کو لا محالہ تحلیل۔ اضمحلال۔ اور " بوسیدگی " سے واسطہ رہتا ہے لہٰذا تعزیر اور صلے کو ان جسموں سے وابستہ کرنا جو دنیاوی زندگی میں خانہ روح بنے ہوئے تھے کچھ ضروری نہیں ہے۔(☆) (اس سے جی اٹھنے کی حقیقت سے انکار لازم نہیں آتا۔ محل نظر موجودہ جسموں کا بعینہٖ جی اٹھنا ہے۔)

تحلیل پر ایک اعتراض

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کیمسٹری تکنیک نے آج اتنی ترقی کر لی ہے کہ بعض مادوں کو ایک ہی ظرف میں جمع کر کے پھر آسانی سے آلہ تحلیل کے ساتھ ہر مادے کی مقدار کا تعین کیا جاتا ہے۔ تو کیا ذات باری اس پر قادر نہیں کہ عمل تحلیل کے بعد ہر جز یا مادے کو الگ کر سکے؟

لیکن سوال یہ نہیں کہ عمل تحلیل غلط ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ " عمل انفصال " یعنی ہر مادے کو اپنی مقدار سمیت دوسرے مادے سے الگ کرنے کا **اصول** کیا ہے؟ قرآن نے اس اعتراض کے جواب میں کہ انسان جب بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو گا تو کیا اسے **از سر نو (ان ہی قالبوں)** میں اٹھایا جائے **گا**؟ فرمایا۔

جس نے آسمان و زمین پیدا کئے وہ (ان ہی قالبوں میں اٹھانے کا پابند نہیں وہ) تمہاری ہی طرح کی نئی انسانی شبیہیں (**مثلهم**) پیدا کرنے پر قادر ہے۔ (17:99)

اس طرح قرآن جہاں قدرت الٰہی کا احساس دلاتا ہے وہاں جواب کی نوعیت ایسی رکھی ہے جو " نئی شبیہوں " کی تخلیق کی [illegible] تو ہے لیکن سابقہ قالبوں میں [illegible] اسے [illegible] کرتی۔ حالانکہ [illegible] ورت تھی کہ جواب سوال کی نوعیت کا ہو۔ اگر اس سے ہٹ کر ہے تو اس کے معنے یہ ہوئے نہ سوال [illegible] میں بیان کردہ حقیقت کے بعض اجزاء کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

یہ تھیں وہ وجوہات جنہیں ملحوظ رکھ کر علمائے کلام اور **طبعیین** نے کہا ہے کہ :

اطاعت و نافرمانی کا مدار۔ ارادوں' افعال' اور اکات' اور حرکات پر ہے۔ اور یہ سب روح کا عمل ہیں اور روح ہی ان سب کا مبداء اور ماخذ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ روح ہی کو عذاب و ثواب کا حقیقی مستحق ٹھہرایا جائے۔ لیکن اگر ظاہر کی حد تک جسم ہی کو نار و نعیم کا مستحق بنایا جائے تو لازم آئے گا کہ انسان کی پہلی تخلیق سے لے کر مرنے تک کے تمام اجزاء کو اپنی اصلی حالت میں لوٹایا جائے جو ناممکنات میں سے ہے۔

امام رازی حکماء کی تائید میں

مسلمانوں کے باشعور اور اہل فکر طبقہ کی طرح امام رازیؒ کی تحقیق بھی یہ ہے کہ یوم حشر میں "ارواح" کو اٹھایا جائے گا۔ انسان کا موجودہ ڈھانچہ باقی نہ رہے گا۔ فرماتے ہیں کہ۔

قرآن میں ہے۔۔ "کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟" (75:3)

اس فرمان الٰہی کا اشارہ اس بات کی طرف ہے جسے انسان کہا جاتا ہے وہ یہی جسم خاکی ہے۔۔۔ لہٰذا انسان جوں ہی وفات پا جائے گا اس کے جسم کے اجزاء منتشر اور متفرق ہونا شروع کر دیں گے اور یہ اجزاء مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے اور پھر ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر مشرق و مغرب میں اس طرح منتشر ہو جائیں گے کہ انہیں دوسری اشیاء کے اجزاء سے الگ کرنا محال ہو جائے گا اور اس طرح جی اٹھنا محال تر ہو جائے گا؟ لیکن اہل علم اس طرح کے شکوک و شبہات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ اسی جسم خاکی کا نام انسان ہے؟ آخر یہ کیوں نہیں کہا جاتا ہے کہ انسان اس چیز کا نام ہے جو اس جسم خاکی کی "تدبیر" کرنے والی ہے۔ یعنی روح اور نفس۔۔۔ اور جب بھی یہ جسم بگڑ کر فنا ہو جائے گا یہ روح اسی طرح باقی رہے گی جس طرح اس جسم کے اندر باقی تھی اور اس وقت ہی یہ کہنا موزوں ہو گا کہ اللہ سبحانہ اس پر قادر ہوں گے کہ اس روح کو اپنی مشیت اور ارادے کے مطابق کسی بھی نئے جسم و قالب' میں لوٹا دیں (کہ اس کے لئے سابقہ گلے سڑے اور منتشر الاجزاء جسم میں لوٹانے کا تکلف ہی کیوں؟

اور یہ وہ توجیہ ہے جسے تسلیم کرنے سے سابقہ جسم کے دوبارہ اٹھانے کی ضرورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔۔۔ اس کے علاوہ **ایحسب الانسان الن نجمع عظامہ** (75:3) میں ایک واضح اشارہ موجود ہے کہ

بدن ۔۔۔ اور "نفس لوامہ" دو مختلف چیزیں ہیں کیونکہ ذات باری نے **لااقسم بالنفس اللوامہ** (75:2)۔۔۔ کہنے کے معاً بعد **نجمع عظامہ**۔۔ فرما کر۔ نفس اور بدن کی "مغایرت" کا خود ہی فیصلہ کر دیا ہے (تفسیر رازی طبع مصر 408/6 بحوالہ تفسیر سرسید مرحوم جلد 112/3)

روح اور بدن کی اسی قرآنی تفریق کی رو سے متکلمین اور فلاسفران اسلام نے معاد کا جس زاویہ سے اعتراف کیا ہے۔ اس سے نفس معاد کی نفی مراد لینا زیادتی ہے۔

حضرت ولی اللہ فرماتے ہیں

دیگر حکمائے اسلام کی طرح حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1762م) بھی " معاد " کے لئے " حشر اجساد " کے قائل نہیں تھے وہ تین قسم کی روحیں تسلیم کرتے ہیں اور ان کے لئے متعدد جسم تجویز فرماتے ہیں لیکن اس جسم کا بالکل ہی ذکر نہیں فرماتے جو موت سے پہلے دنیا میں تھا' نہ دوبارہ اس میں روح ڈالنے کا ذکر ہے نہ اس کے اٹھائے جانے کا۔

(ملاحظہ ہوں۔ تفہیمات الٰہیہ طبع ہند صفحہ 388 وحجۃ اللہ البالغہ طبع بریلی صفحہ 36 بحوالہ سید احمدؒ)

قرآن کا اپنا فیصلہ

مفاہیم کا تعین صریح الفاظ سے ہوتا ہے یا پھر تصریف آیات کے تناظر اور تقابل سے۔ اس ضمن میں قرائن کو بھی معنی آفرینی میں دخل ہوتا ہے۔ اب جہاں تک جسم کے نابود اور فنا ہو کر ناقابل احیا ہونے کا تعلق ہے تو اس کی بابت قرآن نے پوری صراحت سے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔ اس نے خطاب کا اہل صرف نفس **مطمئنہ** کو ٹھرایا ہے۔ ارشاد ہے **یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ**(89:27-28)

اے اطمینان سے بہرہ ور سعید روح اپنے پروردگار کی جناب میں خوش خوش حاضر ہو۔

اس تناظر میں جسم اگر قابل خطاب ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔۔ **یا ایھا الجسد الرمیم ارجع الی ربک راضیا مرضیا** ○

ابن رشد

امام ابن رشد اندلسی نے بھی معاد جسمانی کی قطعی نفی کرتے ہوئے امام غزالی کو آڑے ہاتھوں لیا ہے (فصل المقال طبع بیروت صفحہ 47-48) اس طرح ابن رشد 1198ء پہلے مسلم فلاسفر ہیں جن کا اہل یورپ نے اعتراف کیا اور اس کی صاف رائے تسلیم کر لی ہے۔

مثل اور امثال کا مفہوم کیا ہے؟

آیات 36:81 اور 99 :17 میں مثل اور آیات (56:61) اور 76:28 امثال کا لفظ واقع ہوا ہے جن کے مفاہیم کی وضاحت ضروری ہے جو سرسید مرحوم کی زبانی اس طرح ہے۔

اس آیت میں لفظ " امثال " کا جمع ہے لفظ مثل **بفتح المیم والثاء** کی اور تمام آیات ماسبق وما لحق سے جو اس سورہ میں ہیں صاف ظاہر ہے کہ حالات حشر اس میں مذکور ہیں۔ خدا فرماتا ہے ہم نے موت کو تم میں مقدر کیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں کہ جو اس زندگی میں تمہارے اوصاف ہیں ان کو بدل دیں اور پیدا کریں ایسے اوصاف میں جن کو تم نہیں جانتے۔

لفظ " پیدا کرنے " سے صاف پایا جاتا ہے کہ ---- موجودہ "اوصاف " کے " معدوم " ہونے کے بعد پیدا

کرنا مراد ہے۔
جو لوگ روح کے قائل نہیں تھے، وہی لوگ حیات بعد الموت کے (بھی) قائل نہ تھے اور وہی لوگ ان
آیتوں میں مخاطب ہیں۔ اسی بدن کو جو انسان دنیا میں رکھتا ہے۔ انسان کے اوصاف سمجھتے تھے۔ **طویل**
القامت۔ باری البشرہ عریض الاظفار۔ ماش علیے قدیمۃ وغیر ذالک (☆)
اب یہ خدا نے فرمایا کہ ان اوصاف یعنی اس جسم کے فنا ہونے کے بعد ہم اس بات سے عاجز نہیں
ہیں کہ ان اوصاف کو بدل کر تم کو اور اوصاف میں یعنی دوسری قسم کے جسم میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا
کریں۔
پس یہ آیت صاف دلیل اس بات کی ہے کہ حیات بعد الموت میں روح کے لئے یہ جسم جو دنیا میں ہے
نہ ہوگا بلکہ ایک اور قسم کا جسم ہو گا۔
(تفسیر سرسید" جلد 3/113/10 تا 20)

سرسید کی اس تشریح سے معاد کی حقیقت زیادہ اجاگر ہو جاتی ہے کہ یہاں اوصاف بدلے جاتے ہیں
بعینہٖ اسی " دنیاوی قالب " میں اٹھائے جانے کی بات نہ ہو گی۔۔ اس طرح حکماء طبعین اور سرسید کے
نقطہ نظر سے آیات زیر بحث میں پہلی قسم کی آیات " عام قسم کی ٹھہرتی ہیں۔ اور دوسری خاص قسم کی یا یہ
کہ پہلی آیات نے " حیات نو " کی وضاحت چھوڑ دی اور دوسری قسم کی آیات نے وہ وضاحت بیان فرما
دی اور ادھر قاعدہ یہ ہے کہ عام کی تخصیص یا مجمل کا بیان لازمی حد تک مانا گیا ہے اور اسی قاعدے کی رو
سے عام کا وہی مفہوم ہو گا جو خاص نے واضح کیا اور مجمل کے معانی وہی تسلیم ہوں گے جو مفصل میں واضح
ہو چکے اور ان کے مابین اختلاف کو فقہ اسلامی میں سے کسی نے بھی نہ تو تعارض سے موسوم کیا ہے اور نہ
ہی تناقض سے۔ رہا یہ کہ اتنی ساری آیات کو سامنے رکھ کر اگر معاد سے روحانی معاد ہی مراد لینا تھا تو
اشاروں کنایوں اور مجاز کا سہارا لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ انبیاء و
مرسلین نے ایسی اشارتی زبان استعمال کی جو صراحت و وضاحت کے تقاضوں کے خلاف تھی؟
جی نہیں حشر اجساد اور جسمانی معاد کا مسئلہ ہی دراصل ایسا تھا کہ اس کے لئے تمام وہ اسالیب سخن
اختیار کرنے لازمی ہو گئے تھے جو زیادہ تر استعارات و مجازات و اشارات اور کنایات پر مشتمل تھے کیونکہ
حضرات انبیاء کرام کائنات بشری کے تمام افراد کی اصلاح تکمیل شخصیت اور نظری و عملی قوت کے مطابق
تعمیر ذات کے لئے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے اس کے لئے فہمائش کے تمام اسلوب از قسم ترغیب و تربیت۔
صلہ و سزا، آسائش و آرام کی خوشخبری، نقصان، تکلیف اور آرام و وارننگ اختیار کرنے ضروری تھے کہ
عوام کی اکثریت کی فکری پرواز نہ تو کمالات حقیقی تک پہنچ سکتی تھی اور نہ ہی " لذات عقلیہ " کو سمجھ سکتی
تھی۔ ان کی سمجھ میں تو وہی بات آ سکتی تھی جو حسی درد و آلام کی حامل ہو۔ یا احساس لذت و آرام پر
مشتمل ہو مگر مانوس اور عادت میں شامل انداز تخاطب کے ذریعہ ہو۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ ان تمام بظاہر سمجھ
میں نہ آنے والی باتوں کے لئے تمام اصناف سخن کا سہارا لینا ضروری تھا اور اس ضمن میں انبیاء کا
خطیبانہ رول زیادہ کارگر ہو سکتا تھا کہ وہ عوام کے ذہن اور تعصبات سے زیادہ آگاہ بھی ہوتے تھے اور

امثال و محاورات اور لسانی لطافتوں کا بخوبی ادارک کرنے والے بھی اور انہوں نے معاد جسمانی یا روحانی کو سمجھانے کے لئے جو اصناف سخن استعمال کر کے ان کی ذہنی تقریب کا اہتمام کیا تھا وہ فطرت اور "فہم انسانی" کے عین مطابق تھا خاص کر "معاد" عرب کا مسئلہ نہیں تھا۔ یہ اس کے تصور سے قطعی نا آشنا تھے۔ یہ یونانیوں، مصریوں اور آرین اقوام کا مسئلہ تھا۔ عرب میں کسی طرح در آیا تھا اور چونکہ یہ ایک گونہ فلسفیانہ یا امپورٹڈ مسئلہ تھا لہٰذا صراحت کی بجائے استعاراتی زبان کا اختیار کرنا ناگزیر تھا کہ یہ لوگ اشارے کو صراحت سے زیادہ بلیغ اور زیادہ قابل فہم سمجھتے تھے۔

●●●

خوشخبری

طلوع اسلام ٹرسٹ نے حسب سابق اس سال بھی سالانہ کنونشن طلوع اسلام 1997ء کے پر مسرت موقع پر کرمفرماؤں کو اپنی تمام مطبوعات پر 40 فی صد خصوصی سہولت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

یہ سہولت نقد ادائیگی پر دی جائے گی۔

ڈاکٹر زاہدہ درانی

طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عنائت اللہ

اس نے کہا

" ایک بات بتا "۔۔ اس نے پوچھا۔۔ "کیا تو نے کبھی غلطی کی ہے"؟
" غلطی " ؟۔۔ میں نے کچھ حیران ہو کے کہا۔۔ "کیا کوئی ایسا انسان ہے جو دعویٰ کر سکے کہ اس سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی ؟ .... میں اسی انسان کی نسل سے ہوں جسے غلطی کا پتلا کہا جاتا ہے۔ کئی بار مجھ سے کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی ہو گی۔"
" ہوئی ہو گی " !۔۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم آگیا اور بولا۔۔ " لیکن تو نے کبھی دھیان نہیں دیا کہ غلطی ہو گئی ہے اور یہ پھر نہیں ہونی چاہیے۔"
" غلطیوں کے متعلق میرا رویہ کچھ ایسا ہی ہے "۔۔ میں نے کہا " عمر کے گزرتے شب و روز میں چھوٹی موٹی غلطیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کون یاد رکھتا ہے کل کیا اور پرسوں کیا غلطی ہوئی تھی۔"
" تو نے وہ رسہ شاید دیکھا ہو جس سے قاتلوں کو پھانسی دی جاتی ہے۔" اس نے کہا " جیل میں نہیں تو فلموں میں دیکھا ہو گا۔"
" ایک انگریزی فلم میں دیکھا تھا۔"
" یہ بھی دیکھا ہو گا کہ یہ رسہ کتنا مضبوط ہوتا ہے "۔۔ اس نے کہا " اس کا پھندہ سات من کی دھوبن کے گلے میں ڈال کر لٹکا دو تو رسہ نہیں ٹوٹتا' دھوبن مر جاتی ہے "..... حیران مت ہو کہ میں نے بات غلطیوں سے شروع کی تھی اور ذکر لے بیٹھا پھانسی کے رسے کا۔ میں تجھے اس رسے کی مضبوطی کے متعلق کچھ بتاؤں گا اور بات وہیں آجائے گی جہاں سے شروع کی تھی ...
" غور کر' اتنا مضبوط رسہ کسی درخت کی جڑ نہیں ہوتا نہ یہ بیل کی طرح زمین سے اگتا ہے' یہ اتنے باریک دھاگوں سے یا پٹ سن کے اتنے کمزور ریشوں سے بنایا جاتا ہے کہ چھوٹا سا بچہ اس دھاگے یا ریشے کو ہلکا سا جھٹکا دے تو بھی یہ ٹوٹ جاتے ہیں لیکن یہی باریک اور کمزور دھاگے یا ریشے جب کاریگر کے ہاتھوں ایک دوسرے سے لپٹ جاتے اور مربوط ہو جاتے ہیں تو پھانسی کا رسہ بن جاتے ہیں جس کے ٹوٹنے کا ذرا سا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔ کئی من وزن بھی اسے نہیں توڑ سکتا....
" تیری وہ غلطیاں جنہیں تو چھوٹی موٹی کہتا اور انہیں بھولتا چلا جاتا ہے' ان کچے دھاگوں اور ریشوں جیسی ہیں جو الگ الگ بڑی ہی آسانی سے توڑی جا سکتی ہیں لیکن تیرا ہی نہیں' بہت سے لوگوں کا اپنی غلطیوں لغزشوں اور غلط روش کے متعلق رویہ یہی ہوتا ہے کہ بھولتے چلے جاؤ' پھر عمر کے ایک مقام

پر آ کر کچے دھاگوں اور نرم و نازک ریشوں جیسی چھوٹی موٹی غلطیاں پھانسی کا رسہ بن کر انسان کے گلے میں پھندا ڈال دیتی ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں غلطیوں اور لغزشوں کا ازالہ ایک بڑی ہی کڑی اور جان لیوا سزا بن جاتا ہے۔"

کیا ریشے اپنے آپ ہی رسہ بن جاتے ہیں" میں نے پوچھا۔

" مکافات عمل " !-- اس نے کہا -- " اللہ نے کائنات کے نظام کو کچھ ایسے قوانین کا پابند کر دیا ہے جو کسی کے اشارے کے بغیر ہی حرکت میں آ جاتے ہیں۔ ہر عمل کا نتیجہ ہوتا ہے جو عمل کے عین مطابق ہوتا ہے۔ سزا اور جزا کا فیصلہ قدرت کے یہی قوانین کیا کرتے ہیں ....

" یہ تو روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی بات ہے۔ غور کر اللہ کے اس بندے پر جو نتائج سے بے خبر اور بے پرواہ غلط روش اختیار کر لیتا اور اسے راہ راست سمجھتا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی لغزشوں اور غلط روش پر فخر کرتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں جو انہیں غلط روی کا احساس دلاتے ہیں۔"

" اسے وہ اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں " میں نے کہا۔

" قوانین قدرت کسی انسان کی انا کے پابند نہیں ہوا کرتے " اس نے کہا ----- " ایک مفکر نے کہا تھا کہ اللہ خود ان قوانین کا پابند ہو گیا ہے جو اس کی ذات باری نے بنا دیئے ہیں .... **اگر اللہ کا** کوئی بندہ اللہ کی بجائے اپنی انا کا پابند رہنے میں خوشی محسوس کرتا ہے تو اسے کون روک سکتا ہے! .... وہ اللہ کو وحدہ' لاشریک اور اسی کو عبادت کے لائق سمجھتا ہے لیکن یہ اس کا ظاہری عقیدہ ہے' باطنی طور پر وہ اللہ کا باغی اور منکر ہے۔ وہ اپنے آپ کو یعنی اپنی انا کو عبادت کے لائق سمجھتا ہے۔

" یاد رکھ' غلطی سرزد ہو جائے تو اسے تسلیم کر لے۔ اگر تو اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے گا تو یہ تیری ذات میں چھپ تو جائے گی لیکن تیرے ضمیر پر ایسا ناگوار بوجھ بن جائے گی کہ تو قلبی سکون سے محروم ہو جائے گا مگر سمجھ نہیں پائے گا کہ تیرے اندر یہ بے کلی سی کیسی ہے۔ ایک شخص یاد آگیا ہے جسے میں درویش کہوں تو غلط نہ ہو گا۔

" دو دوست اس کے گھر گئے۔ وہ فرشی دری پر بیٹھا اپنے سامنے فرش پر یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس کے آگے کوئی چیز رکھی ہوئی ہو لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلی ہوئی تھی مگر آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے دوستوں کی طرف دیکھا تو آنسو بہہ نکلے اور مسکراہٹ اور زیادہ کھل گئی ...

دوستوں کے چہروں پر استعجاب دیکھ کر اس نے کہا -- " تمہیں وہ انبار نظر نہیں آرہا جو میں نے اپنے آگے لگا رکھا ہے۔ قلب و روح نے کچھ ایسی بے قراری اور بے کلی محسوس کی جو مجھ سے برداشت نہ ہو سکی پھر ایسے لگا جیسے میرا ضمیر مجھ پر لعن طعن کر رہا ہو۔ میں بیٹھ گیا اور گزری عمر کی چھوٹی بڑی لغزشیں جو مجھ سے دانستہ یا نادانستہ طور پر سرزد ہوتی رہیں' ایک ایک کر کے اپنے سامنے رکھنے لگا۔ میرے آگے انبار لگ گیا۔ آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہہ نکلے ہیں۔ میں نے کہا یہ میری

لغزشوں کا انبار ہے۔ یہ میرا اعمال نامہ ہے بہتے آنسوؤں میں مجھے آواز سنائی دی' " تیری ندامت تیری خوش بختی ہے "۔ آج تیری روح اللہ کی بخشش اور بندہ نوازی سے مخمور و مسرور ہو گئی .... یہ میرے ضمیر کی آواز تھی جس نے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی " ....

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

تو اگر ان سے ہے جو اپنی ہر غلطی اور ہر غلط روش کا جواز گھڑ لیتے ہیں تو خبردار رہ کہ تو اللہ کو نظر انداز کر کے اپنی انا کی پرستش کر رہا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا کہ تو اللہ کے عفو اور بندہ نوازی سے محروم ہو گیا۔ پھر تیری روح کو اور تیرے ضمیر کو اماں ملے گی تو کہاں سے ملے گی؟ ان لوگوں سے تو تجھے کچھ نہیں ملے گا۔ جو تیری خوشنودی کی خاطر تیرا بے بنیاد جواز قبول کر لیتے ہیں' اور ان میں وہ بھی ہیں جو تیرے جواز سن سن کر تجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں...

ذہن میں بٹھا لے کہ انا پرستی اور رعونت اللہ کی نافرمانی کے دو نام ہیں اور اس حقیقت سے نگاہیں نہ پھیر کہ آدم کی تخلیق سے پہلے ابلیس کو ناری مخلوق میں فرشتوں جیسی عظمت حاصل تھی لیکن اللہ نے آدمؑ کو معرض وجود میں لا کر جب فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو فرشتے سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ اللہ نے اسے دھتکار کر ملعون قرار دے دیا۔

یہ ابلیس کی انا پرستی تھی جس کے زیر اثر اس نے اپنے خالق کی حکم عدولی کی لیکن تاسف اور پچھتاوے کی بجائے اس نے اللہ کو چیلنج کر دیا کہ وہ مٹی سے بنائے ہوئے اس آدم کی اولاد کو گمراہ کر دے گا۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت 62 دیکھ لے۔ ابلیس نے اللہ سے کہا کہ مجھے قیامت تک ڈھیل دے دے پھر دیکھ میں اس آدم کی اولاد کو اس طرح نکیل ڈال کر اپنے راستے پر چلاتا ہوں سوائے چند ایک کے ....

ان الفاظ پر غور کر --- سوائے چند ایک کے' ---۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس اللہ کے ہر بندے کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔ یہ کون لوگ ہوں گے ؟ وہ جو گمراہ ہونا ہی نہیں چاہیں گے لیکن جنہوں نے اپنی ذات میں اپنی غلطی تسلیم نہ کرنے' اس کے حق میں جھوٹے جواز پیدا کر لینے اور انا پرستی جیسے ابلیسی اوصاف پیدا کر لیے ہوں' انہیں گمراہی اور پھر کردار اور ایمان کی تباہی سے کون روک سکتا ہے!....

پھر اللہ نے اس آدم کو بھی معاف نہیں کیا جسے اتنی عظمت دی تھی کہ فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ ریز کر دیا تھا۔ آدم کی لغزش تو جانتا ہی ہے۔ اللہ نے اسے اور اس کی بیوی کو فردوس بریں سے نکال دیا تھا...

" اللہ نے حضرت یونسؑ کی لغزش بھی معاف نہیں کی تھی۔وہ تو پیغمبر تھے۔ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی کشتی دریا کے بھنور میں پھنس گئی۔ آپؑ نے دریا میں چھلانگ لگا دی تو ایک

بڑی مچھلی نے انہیں زندہ نگل لیا۔ تب انہیں اپنی لغزش کا احساس ہوا اور اللہ کے حضور التجا کی کہ تو بلا شک و شبہ پاک ہے اور میں ظالمین میں سے یعنی زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔"

" یہ میں جانتا ہوں " --- میں نے کہا --- " یہ آیت کریمہ کے الفاظ ہیں **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** - "

" ہاں ! "-- اس نے کہا-- " یہ وہی آیت کریمہ ہے جس کی بے ادبی ہمارے گھروں میں مسلسل ہوتی ہے۔ عورتیں گھروں میں آیت کا ختم کراتی ہیں۔ سارے محلے کی عورتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور آیت کریمہ کا جس کا لب لباب توبہ استغفار ہے' ورد کرتی اور اس کے ساتھ غیبت اور بدخوئی کا ارتکاب جاری رکھتی ہیں۔ ان کا دھیان اللہ کی طرف ہوتا ہی نہیں نہ انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو ورد کر رہی ہیں اس کا مطلب کیا اور اس کا پس منظر کیا ہے۔

اس بڑھیا کی طرح نہ ہو جا جو ایک ہی رٹ لگائے پھرتی تھی اور پاگلوں کی طرح واہی تباہی بکتی پھرتی تھی کہ میری بیٹی کی قسمت مجھ جیسی ہی نکلی۔ جیسے گھٹیا سسرال مجھے ملے تھے اس سے بدتر میری بیٹی کو ملے۔ بات اصل یہ تھی کہ یہ عورت انا پرست تھی۔ اپنی غلطی اور اپنی غلط بات کو جائز' صحیح اور برحق ثابت کرنے کے لئے جھوٹے جواز گھڑ لیتی اور لڑنے مرنے پر اتر آتی تھی۔ خاوند کے لئے وہ مجسم اذیت بنی رہتی اور سسرال کے دیگر افراد کی ہر بات کو وہ غلط ثابت کرتی اور ان پر اپنی انا مسلط کرنے کے بڑے ہی گھٹیا جتن کرتی رہتی تھی جس کے نتیجے میں گھر کی فضا میں تکدر رہتا تھا ....

اس نے اپنی بیٹی کو بھی یہی سبق دیا کہ اپنی منواؤ دوسرے کی مت مانو۔ اس طرح بیٹی میں بھی انا پرستی پیدا کر دی۔ وہ جب اپنے سسرال گئی تو اس گھر میں ماں والا تکدر پیدا کر دیا۔ بیٹی ماں کے ہاں آتی تو شکوئے شکایتوں کے انبار لے کر آتی۔ ماں اسے نئے گر اور داؤ پیچ سکھاتی۔ یہ بڑھیا گھر گھر واہی تباہی بکتی رہی اور آخر موت نے اس کی زبان بند کی ....

" اپنی پرستش چھوڑ دے۔ سوچوں کو سطحی نہ رکھ۔ تو ساحل پر کھڑا سمندر کی سطح پر جو خس و خاشاک بہتے دیکھتا ہے انہیں اپنی اور دوسروں کی غلطیاں اور لغزشیں سمجھ۔ یہ ہر کسی کو نظر آجاتے ہیں۔ کوئی انسان اپنی لغزشیں دوسروں سے چھپا ہی نہیں سکتا۔ اپنی انا کو ڈبو دے اور سمندر کی تہہ میں غوطہ لگا۔ تجھے سیپ ملے گا۔ اس پر تیرا اشک ندامت گرے گا تو یہ اپنا منہ کھول کر تیرے ہاتھ پر ایک گوہر اگل دے گا... گوہر گہرائی میں ہوتے ہیں سطح پر نہیں ! "

❋ ❋ ❋

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید انعام الحق

سکینہ بیٹی! ہم شرمندہ ہیں

عوام کے بھاری مینڈیٹ سے برسراقتدار آنے والی جماعت مسلم لیگ کو یاد دلا دوں کہ اس نے خلافت راشدہ کا دور پھر سے زندہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ داستان بہت طویل ہے لیکن میں اس دور کے صرف ۱۱ ایک واقعات ان کے گوش گزار کروں گا۔

رات کی تاریکی میں حضرت عمرؓ گشت کر رہے ہیں۔ ایک گھر سے بچوں کے رونے کی آواز آتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے استفسار پر خاتون خانہ کہتی ہیں۔ گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں۔ حضرت عمرؓ فوراً بیت المال جاتے ہیں اور سامان خورد و نوش اپنی پیٹھ پر لاد کر اس کے گھر پہنچاتے ہیں۔ خاتون پکار اٹھتی ہیں۔ امیرالمومنین تو آپ کو ہونا چاہیے تھا۔

اب تھوڑی دیر کے لئے خلافت راشدہ کے نام پر اپنی سیاست چمکانے والوں کے دور کا یہ واقعہ نگاہوں کے سامنے لائیے۔

"پنڈی کیمپ کی ایک مجبور ماں نے تین دن سے بھوکے پانچ بچوں کو ذبح کر دیا۔"

آپ ہی بتائیں اس حرماں نصیب ماں کو قاتلہ لکھوں یا جنونی کہ اس نے پانچ بچے اپنے ہی ہاتھوں ذبح کر دیئے۔ جن ہاتھوں نے اس گلشن کی آبیاری کی تھی انہی ہاتھوں نے یہ گلشن اجاڑ دیا۔ پھول کھلنے بھی نہ پائے تھے کہ خون میں نہا گئے۔

بچوں کی شہ رگ سے نکلنے والے خون کی ایک ایک بوند۔

چھری چلانے والی ماں کی ممتا۔

مقتول بچوں کی معصومیت۔

پکار پکار کر پوچھ رہی ہے کہ ہمارا کیا قصور تھا۔؟ ہمیں کس جرم کی سزا ملی؟ ہمارا قاتل کون ہے؟ کیا ہماری ماں ہماری قاتل ہے؟ کیا یہ سماج ہمارا قاتل ہے؟ کیا یہ خلافت راشدہ کے علمبردار ہمارے قاتل ہیں؟ خدائی فوجدار ہمارے قاتل ہیں۔ کوئی ہے جو اس اجتماعی قتل کی ذمہ داری قبول کرے؟

اس سے پہلے کہ حکومت کے تجاہل عارفانہ کا تذکرہ کروں خلافت راشدہ کا ایک اور واقعہ سن لیجئے۔

حضرت عمرؓ حسب معمول گشت پر ہیں۔ ایک بڑھیا شکایت کرتی ہے کہ میرا خاوند بوڑھا اور میں ہوں۔ خلیفہ نے ہمارا حال تک نہیں پوچھا۔ حضرت عمرؓ پوچھتے ہیں۔ کیا تم نے خلیفہ کو اپنے احوال سے آگاہ کیا؟۔ بڑھیا کا جواب سنئے اور جھوم جائیے کہ اب ہم صرف جھوم ہی سکتے ہیں کہنے لگی۔ اس شخص کو

خلافت پر براجمان ہونے کا کیا حق ہے جو عوام کے حالات سے آگاہ نہیں۔ حکومت کہہ سکتی ہے کہ وہ بڑھیا کی غربت سے آگاہ نہ تھی۔ اب اسے کون بتائے کہ بات کسی ایک بڑھیا کی نہیں۔ یہاں تو ہر تیسرا چوتھا گھر غربت اور مہنگائی کے لاچار ہاتھوں اور بھوک سے نڈھال ہے۔ کوئی بچوں کے قتل کی سوچ رہا ہے اور کوئی غیر قانونی ذرائع کی طرف ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہے۔ کون ہے ذمہ دار اس صورت حال کا؟

پوچھیے حضرت عمرؓ ہی سے کہ انہی کے نام پر لوگوں نے ووٹوں سے آپ لوگوں کی جھولیاں بھر دی تھیں۔ فرمایا! چوری کا مجرم یہ غلام نہیں۔ چوری کا مجرم ان کا مالک ہے جو انہیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں دیتا۔ بات صاف ظاہر ہے کہ ان بچوں کا قاتل وہ سیاسی ٹولہ ہے جس کے ہاتھوں ملکی معیشت اس مقام پر پہنچ چکی ہے جہاں بھوک کے ہاتھوں مائیں اپنے بچوں کو قتل کرنے پر مجبور ہیں یا ان بچوں کی قاتل مذہبی پیشوائیت ہے جو تقدیر کی لوری سنا کر غریبوں کو خواب غفلت کی نیند سلائے رکھتی ہے۔ کہئے کس کے نام پر کٹے گی پانچ بچوں کے قتل کی ایف آئی آر؟

ابھی اس خبر پر ہی ہم دم سادھے بیٹھے تھے کہ ایسی ہی ایک اور خبر نے رلا دیا۔

"لاہور کی 14 سالہ لڑکی سکینہ سے سابق لیگی کونسلر کے بھائی کی زیادتی۔ لڑکی نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔"

بات نہ ایک بچی کی عزت لٹنے کی ہے نہ پانچ بچوں کے تین دن تک بھوکے رہنے کے بعد اپنی ہی ماں کے ہاتھوں قتل ہونے کی ہے۔ یہ تصویر ہے اس معاشرے کی جس کا نام اسلامی جمہوریہ ہے۔ یہ نقشہ ہے اس معاشی ترقی اور سماجی بہبود کا جس کی تعریفوں کے پل باندھنے کے لئے ملک کا پورے کا پورا میڈیا دن رات مصروف "جہاد" ہے۔ یہ حالت ہے اس معیشت کی جس کی مدح سرائی میں اس وقت پوری کی پوری راج سرکار پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔

اے غیرت مند بیٹی سکینہ! تیری بے حرمتی اور موت ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

اے پانچ معصوم بچو! تمہاری تین دن کی بھوک اور تمہارا قتل ہمارے لئے موت کا پیغام ہے۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم بہتر نظام کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر دیں گے کہ پھر کسی سکینہ پر ایسی بے بسی کی موت نہ آئے اور کوئی ماں اپنے معصوم بچوں کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرے۔

یہ کب ہو گا؟ کیونکر ہو گا؟ یہ اس وقت ہو گا جب ہم تنکوں کے سہارے چھوڑ کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں گے۔ جب قائدؒ اور اقبالؒ کا پاکستان استبدادی قوتوں سے آزاد ہو جائے گا جب حق حکومت اللہ کو لوٹا دیا جائے گا۔ ظلم اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اسے ختم ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ غالب نے کہا تھا ۔ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں۔

ہم شرمسار ہیں سکینہ بیٹی!!!

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گولڈن جوبلی تقریبات

1۔ کراچی

کراچی میں گولڈن جوبلی کی تقریب' 17 اگست بروز اتوار منائی گئی۔ تلاوت قرآن پاک سے ابتدا ہوئی پھر علامہ غلام احمد پرویزؒ کا خصوصی خطاب " آزادی کا قرآنی مفہوم " پیش کیا گیا۔ نمائندہ بزم جناب محمد اقبال صاحب نے پروجیکٹر کی مدد سے تحریک طلوع اسلام کا مقصد و مسلک بیان کیا اور تحریک کی تاریخ اور بزم کراچی کی کارکردگی پر روشنی ڈالی جب کہ جناب محمد ریاض قریشی صاحب نے سامعین کا شکریہ ادا کیا۔

جناب محمد رشید بٹ صاحب کے بقول خاطر تواضع اور اس کے بعد کتب اور رسالے کی فروخت کا روح پرور سماں اور نظم و ضبط کا شاندار مظاہرہ کارکنان بزم کے احساس ذمہ داری کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ بزم کی طرف سے کچھ تصاویر بھی موصول ہوئی ہیں لیکن فنی وجوہات کے باعث انہیں شائع کرنا ممکن نہیں ہو سکا۔

2۔ لاہور

بزم طلوع اسلام (خواتین) لاہور' جیسا کہ احباب جانتے ہیں' نئے نئے تجربات کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ پچھلے دنوں انہوں نے کینوس پر قرآنی موتی بکھیرنے اور طلبا و طالبات کے تیار کردہ فن پاروں کی نمائش کا اہتمام کر کے اہالیان لاہور سے داد وصول کی۔ اب کے' گولڈن جوبلی تقریب کے موقع پر انہوں نے پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ کی بازخوانی کے لئے تمثیل کا سہارا لینے کی ٹھان لی۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کوشش تھی۔ 14 اگست سے قبل لاہور میں مسلسل بارشوں کی وجہ سے نہ اس کے لئے خاطر خواہ وقت مل سکا اور نہ ہی **تمثیلچے** کی ضرورت کے مطابق مناسب سٹیج مہیا ہو سکی۔ پھر بھی خواتین کے عزم اور نوجوانوں کی ہمت کی راہ میں نہ تنگ دامانی آڑے آئی نہ بارش ان کا راستہ روک سکی۔ ایک گھنٹے کے مختصر دورانیے میں نصف صدی کا قصہ بیان کرنا اور وہ بھی تمثیلی انداز میں ایک چیلنج سے کم نہ تھا لیکن ڈرامے کے مصنف اور ہدایت کار نوجوان عاطف طفیل نے جس خوبصورتی سے یہ پروجیکٹ تیار کیا اور بزم کی نمائندہ عزیزہ بہن صالحہ نغمی نے جس دلچسپ انداز میں اسے پیش کیا اس پر حاضرین جلسہ داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ جن دوسرے نوجوانوں نے اس پروگرام میں نمایاں کردار ادا کئے ان میں جناب احمد حسین قیصرانی' اکبر مشتاق' اظہر حسن' اشرف مشتاق' اصغر مشتاق' صاحبان

تابندہ قمر، صائمہ انور، شہناز، ماجدہ، اور خوش بخت حیدر شامل تھے۔ صوتی اثرات فرح سعید نے دیئے جب کہ سٹیج کی تزئین جو غالباً" سب سے مشکل کام تھا ڈاکٹر نیلم اکرام کی ماہرانہ کاوش کی مرہون منت تھی۔ تصویر کشی کا فریضہ سعدیہ ظفر نے سرانجام دیا۔

ہمارا خیال تھا کہ پبلک کے سامنے، اپنی نوعیت کے اس پہلے تجربے پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہو گی۔ کئی **جبینوں** پر سلوٹیں نمایاں ہوں گی، کئی طرف سے آوازے کسے جائیں گے لیکن یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دیکھنے والوں نے اسے نہایت انہماک سے دیکھا اور فراخدلی سے سراہا۔

ادارہ کی طرف سے اس پروگرام کے سبھی شرکاء کو خوبصورت شیلڈ پیش کی گئیں اور یوں بزم خواتین لاہور کی اپنی نوعیت کی یہ پہلی کوشش کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

لاہور اور کویت میں ہونے والی گولڈن جوبلی تقاریب کی وڈیو فلمیں بزم ہائے طلوع اسلام کو بزم کویت کے تعاون سے ارسال کی جاری ہیں۔ احباب سے التماس ہے کہ یہ فلمیں دیکھ کر ادارہ کو اپنے تاثرات سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ پروگرام ان کی آرا کی روشنی میں مرتب کیا جائے۔

بزم چک 215/EB نے یوم دفاع کے موقع پر میجر طفیل شہید کے مزار پر تصویری نمائش کا اہتمام کیا جس میں یوم آزادی اور یوم دفاع کے حوالہ سے کئی یادگار تصاویر رکھی گئیں۔ جنگ ستمبر سے متعلق ایک بصیرت افروز پمفلٹ بھی تقسیم کیا گیا اور پاک فوج کے جوانوں کے سنہری کارناموں پر مبنی آڈیو کیسٹ سنائی گئی۔ عوام کے ہمراہ پنجاب رجمنٹ کے کمانڈر اور جوانوں نے بھی یہ نمائش دیکھی۔ ان سب نے بزم کی کارکردگی کو سراہا اور نمائش کے روح رواں ڈاکٹر محمد اسلم نوید کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ ملت کے شہید کو خراج عقیدت پیش کر کے بزم نے جس فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے ادارہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور توقع کرتا ہے کہ دوسری بزمیں بھی اس طرح کی تقاریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گی۔

ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر

3082-7

نیشنل بینک مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

چیئرمین طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم عبدالرحمٰن چغتائیؒ

فنون اور ترکۂ اسلام

محترم عبدالرحمٰن چغتائیؒ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ 21 ستمبر 1997ء کو چغتائی میوزیم ٹرسٹ' انکا صد سالہ یوم پیدائش منا رہا ہے۔ علامہ غلام احمد پرویزؒ کو مرحوم سے خاص لگاؤ تھا۔ پرویزؒ صاحب کی مایہ ناز کتاب " معراج انسانیت " کے دل آویز عنوان " صبح بہار " کا عکسی حاشیہ اسی منفرد اور بے مثال مصور کی فنی بصیرت کا نمونہ ہے۔ ایک بلند پایہ مصور ہونے کے علاوہ چغتائی صاحب ایک صاحب اسلوب ادیب بھی تھے۔ ان کی شناخت اگرچہ ایک مصور ہی کی حیثیت سے کی جاتی ہے تاہم انہوں نے خوبصورت مضامین لکھ کر اردو کے نثری ادب میں بھی گرانقدر اضافے کئے ہیں۔ ان کے صد سالہ یوم پیدائش کے موقع پر ہم ان کا ایک مضمون قارئین کے سامنے لانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ مضمون انہوں نے 1966ء کی کنونشن میں پڑھا تھا۔ مدیر طلوع اسلام

اسلام میں فنون کا درجہ مذہبی تقدس نہ تھا' پرستش نہ تھی۔ اس کا ارتقاء رنگوں اور خطوں ہی تک محدود نہ تھا۔ اس کے سامنے حصول مقصد کے لئے غیر محدود وسعتیں تھیں۔ اسے حیات انسانی کی عالمگیر خدمت انجام دینا تھی' جو بنیادی طور پر اسے ودیعت کی گئی تھی۔ قبل اسلام **ودیعت** سے حضرت مسیح علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلعم کے درمیان کا زمانہ ایسا تھا' جب کہ اخلاقی طور پر دنیا کی ہر قوم انحطاط کا شکار ہو چکی تھی۔ یہ دنیا محض خدا کی یاد ہی سے بیگانہ نہیں ہوئی تھی' بلکہ اس کے اندر فن' آرٹ' شریعت کچھ بھی باقی نہ رہا' یہ حقیقت میں جنسی لذتوں اور جذبات کو **برانگیختہ** کرنے کا ذریعہ بن چکا تھا۔ اسلام نے ان جذبات کو حکماً ممنوع اور حرام قرار دے کر ان فنون کو ہمیشہ کے لئے مذہب سے الگ کر دیا۔ اور یہ حکم اسلام کا پہلا ترکہ ہے' جو دنیا کے فنون اور دنیا کی ہر قوم کے لئے سنگ میل ہے۔

اسلام نے قوم کو ایک کردار اور اقتدار بخشا تھا۔ اسلام دیکھتے دیکھتے مشرق و مغرب میں پھیلتا چلا گیا' وہ جہاں بھی گیا اس نے ان آثار و نقوش کو لوگوں کے دلوں پر کچھ اس طرح ثبت کر دیا کہ کوئی قوم اور ملک ان کو قبول کئے بغیر نہ رہ سکا۔ حیات انسانی میں تنوع اور ایک شان آ گئی اور پھر اس شان اور تنوع کے ساتھ کردار کی انفرادی خصوصیات بھی ابھر آئیں اور ہر کس و ناکس کو اپنے آپ کو سمجھنے کے لئے نظر اور صلاحیتیں عطا ہوئیں۔ غلاموں کو آقاؤں کے دوش بدوش کھڑا ہونے کی جرات نصیب ہوئی۔ مجلسیں قائم ہونے لگیں۔ گھر گھر علم و فن کا چرچا ہونے لگا اور اسلام عربستان کے صحراؤں سے نکل کر فلسطین' شام' فارس' ایران اور ہند کے ساحلوں تک پہنچ گیا۔

وہ لوگ جنہیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی' آسمان سے نازل نہیں ہوئے تھے' بلکہ ہماری ہی طرح کے گوشت پوست کے انسان صرف روحانی طور پر بدل گئے تھے۔ انہوں نے کردار کی خصوصیات سے اپنے عقائد اور اعتقاد کو نئے قالب اور نئی روح میں ڈھال لیا تھا۔ وہ اپنے خالق کی نمائندگی میں زندگی کا نئے نئے

زاویوں سے مطالعہ کرنے لگے، جیسے یہ زمین، یہ آسمان، یہ مشرق و مغرب ان کے اپنے ہیں، اور انہیں قدرت کے سربستہ رازوں کو، ان پراسرار قوتوں کو سمجھنا اور سمجھانا ہے، جن سے انسان کی سلامتی وابستہ ہے، ان اسلام پر ایمان لانے والوں میں بڑے بڑے صناع، سنگ تراش، اور فن کار سبھی قسم کے لوگ موجود تھے، جو ایک ہی مقصد کے زیر اثر ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے۔ اب ان کی نگاہیں پہلے سے کہیں زیادہ روشن، جذبات بلند اور تازہ دم تھے، ان میں رنگوں اور خطوں کا احساس "**وراثتا**" زندہ تھا۔ بے شک اب بت پرستی سے انہیں نفرت ہو گئی تھی۔ لیکن ایک انقلاب اٹھ رہا تھا، شعور نے نئی نشو و نما پائی تھی، اخلاقی اصلاح قابل رشک حد تک پہنچ چکی تھی، کردار نمایاں تھا، دل اور روح ہر بوجھ سے آزاد ہو گئے تھے، گویا زندگی کے ہر شعبے میں بیداری ہی بیداری تھی۔ کتاب حکمت جس سے انہوں نے ہدایت پائی تھی اور اقتدار حاصل کیا تھا، اس کے اصول اور احکام ان کے روئیں روئیں میں بس گئے تھے۔ وہ اس پر سختی سے عمل پیرا ہو گئے۔ لیکن ان کی مخفی فنی صلاحیتیں بھی اظہار کی متقاضی تھیں۔ جب انہیں کوئی دوسرا رستہ نظر نہ آیا، تو وہ تقدس کے جذبے سے مجبور ہو کر کلام الٰہی کو منقش اور زرفشاں کرنے پر تل پڑے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے انہوں نے ایک نئی طرز نگارش کی بنیاد ڈالی، جو دنیا بھر کے فنون میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے آج بھی نئی اور اپنی انفرادیت کے باعث ہنوز زندہ و تابندہ ہے۔ یہ طرز نگارش منقش لوحوں اور زرفشانی کا آرٹ ساتویں صدی عیسوی ہی سے اسلام میں رواج پا گیا تھا، اور ان آرٹسٹوں کے نام بھی ملتے تھے، جنہوں نے ان کی ابتداء کی تھی اور وہ اپنے وقت کے استاد مانے جاتے تھے۔

نقاشانہ **تلمیع** Illumination اور اقلیدسی شکلیں دنیا کے فنون میں اسلام کا یہ ایسا بیش قیمت ورثہ ہیں، جسے دنیا نہ تو فراموش کر سکی اور نہ اس کے پاس اس کا جواب ہے، یہ وہ صنعت اور آرٹ ہے جس سے دنیا بھر کی کتابیں حسین و جمیل نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ کاغذ پر تصویر کشی کا رواج بھی اسلام سے ہوا۔ مرقعوں اور تصویر دار کتابوں سے تصنیف و تالیف میں مسلمانوں نے ایک ایسی طرح ڈالی کہ صدیوں بعد عیسائی آرٹسٹوں نے بھی اس آرٹ کو اپنایا اور اس پر بحیثیت باقاعدہ فن کے توجہ دی اور مقدس انجیل کو قرآن پاک کی طرح منقش اور زرفشاں کرنا شروع کر دیا۔ بے شک انہوں نے بہت ترقی کی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی تلمیع اور
• مقدس انجیل کے بہترین نسخے آج بھی ایرانی اور ترکی مرقعوں کے سامنے رکھے جائیں، تو فنی نقطہ نگاہ اور معیار سے وہ پست ٹھہرتے ہیں اور ان میں کوئی انفرادیت نظر نہیں آتی۔ اصل بہرحال اصل ہے اور نقل، نقل۔

اسلام میں جب فن تعمیر نے فروغ حاصل کیا اور مسلمانوں نے اس کی اہمیت کو سمجھا، تو مسجدوں کے گنبد، کھلے کھلے صحن اور مینار نمودار ہوئے جو بنانے والوں کی آرزوؤں کی طرح فضا میں بلند ہو کر فلک کو بوسہ دینا چاہتے تھے۔ ان کا رشتہ ستاروں سے جا ملتا تھا۔ آرٹسٹوں اور صناعوں نے ان کی دیواروں اور چھتوں پر مختلف اقلیدسی نقوش بنائے۔ یہ اقلیدسی شکلیں قسم قسم کے پھول پتوں سمیت، ان کے اظہار خیال کا ذریعہ بن گئیں۔ پھر وہی پھول پتے نئی طرز نگارش میں ڈھل کر ان کے لبادوں، عماموں اور قالینوں پر، اور اسی طرح چینی کے برتنوں پر نظر آنے لگے جسے آج جذبہ تزئین- Decorative Mood سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے فن کا بنیادی پتھر یہی پھول پتے اور اقلیدسی نقوش ہیں۔

اسلام سے قبل کی جن تہذیبوں نے اپنی فنی یادگاریں چھوڑی ہیں اور جہاں تک ان کا تعلق آرٹ کے مقصد سے ہے، ان میں عریانی اور لباس کی کمی کثرت سے پائی جاتی ہے مگر ظہور اسلام کے ساتھ دنیا کو جہاں اور برکات حاصل ہوئیں وہیں یہ نعمت بھی حاصل ہوئی کہ اسلام نے انسان کو اپنا ستر ڈھانپنے کی زبردست تلقین کی اور لباس کی اہمیت کا احساس اس شدت سے دیا کہ ہم آج اسے کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کر سکتے، حالانکہ آرٹ کے ایک مبصر نے یونان کی عریانی سے متاثر ہو کر کہا ہے کہ عریانی تہذیب کا پہلا کرشمہ ہے۔ عالمگیر عریانی اور ننگے

پن کی روک تھام کے بعد اسلام کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مذہبی طور پر دنیا کو سب سے پہلے حرام اور حلال کا سبق پڑھایا اور اس بات کا احساس دلایا کہ کھانے پینے' چلنے پھرنے اور دیکھنے سننے پر بھی حرام اور حلال کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اسلام نے حرام اور حلال کی تمیز پیدا کر دی۔ اس لئے اس عبوری دور میں مسلمانوں نے نہ تو تصویر کشی کی طرف توجہ کی' نہ کوئی ایسی راہ تلاش کی کہ ان کی مصوری مندر اور کلیسا کی نذر ہو جاتی' حالانکہ اسلام قبول کرنے والوں میں ہر مذہب و ملت کے لوگ موجود تھے اور ان میں آرٹسٹ بھی تھے' صناع بھی تھے۔ لیکن اسلام کی برکات اور فضیلت کا تقاضا تھا کہ وہ مستعدی سے اس کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے اور اس انحطاط سے بچے رہتے جس نے بڑی بڑی پرانی تہذیبوں کا خاتمہ کر دیا تھا کہ اسلام کے آنے کے ساتھ ہی دنیا بھر کے مذاہب اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کو ایک نئے زاویہ نگاہ سے دیکھنے لگے اور اپنے آرٹ اور فنون میں نئی تنظیم اور نئے نظریوں کی اشد ضرورت محسوس کرنے لگے۔

آٹھویں صدی عیسوی کے شروع ہی میں مسلمان سندھ میں نمودار ہو چکے تھے جو لوگ یہاں آئے ان کا تعلق جن مسلمان حکمرانوں سے تھے' وہ کردار' اخلاق' دانشمندی اور اقتدار کے نمائندے تھے۔ وہ اپنے ساتھ تجارت اور مختلف قسم کے فنون بھی لائے۔ وہ ہندوستان کے اندر بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتے چلے گئے۔ ان کی معاشرت' زبان اور فن کا اثر ہندوستان کے ہر طبقے پر ہونے لگا۔ یہی سبب ہے کہ جین اور گجراتی مصوری کے جو قدیم نمونے دستیاب ہوتے ہیں' ان میں مسلمانوں کے اثرات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اس وقت کی تصویروں کا یہ عالم ہے کہ ان میں طرز معاشرت کی نمائندگی کے علاوہ تلمیع' سنہری رنگ' اسلامی عمارتیں ڈاڑھیوں والے بزرگ چہرے' بڑے بڑے عمامے اور لباس یہ کثرت ملتے ہیں۔ پھر مغلوں کا دور آیا تو ایک نئی تہذیب اثر انداز ہوئی۔ مغل نہ صرف یہاں کے باشندوں سے مل جل گئے بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔ نئی تہذیب کے ساتھ نئے فن اور نئی تہذیب نے فروغ پایا۔ مغل اتنے فیاض اور دیدہ در واقع ہوئے تھے کہ وہ خود اپنی معاشرتی و تمدنی اور فنی روایات کو نئے سانچوں میں ڈھالنے پر تیار ہو گئے۔ ان کے عہد حکومت میں مہا بھارت اور رامائین کا فارسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ ان کے تصویر دار مرقعے تیار کئے گئے۔ جین اور راجستھانی اسکولوں کی بنیادیں استوار ہوئیں اور انہیں اسلامی ممالک میں رائج کیا گیا۔ مسلمان بادشاہوں کے اتحاد پرور جذبے سے ہندوستان پھلا پھولا اور یہاں کے فنون اور فن تعمیر میں ایسی انفرادی شان آ گئی' ایسا تصور پیدا ہوا' جو اس سے پہلے نہیں پایا جاتا تھا۔ ہندی **آرٹسٹوں** نے ایرانی **آرٹسٹوں** سے فن سیکھا اور مغل دربار پر چھا گئے۔ میر سید علی تبریزی اور استاد عبدالصمد شیرازی کی تعلیم نے انہیں کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔ جہانگیر نے بعض ہندو **آرٹسٹوں** کو ان کی قابلیت کی بناء پر تعلیم کے لئے ایران بھیجا تھا۔ ان پر بڑی بڑی نوازشیں کی گئیں' تاکہ یہاں کا فن مصوری درجہ کمال حاصل کر سکے۔

ہندوستان کی علاقائی مصوری خاص کر کانگڑہ اور راجستھانی اسکولوں میں مغل مصوری کے وہ تمام خصائص پائے جاتے ہیں' جن سے مغل اور ایرانی آرٹ زندہ ہے۔ آرٹ میں اسلام کا ترکہ اسلام کے جمالیاتی نظریوں کے عین مطابق ہے۔

غرض فنون میں اسلام کا ترکہ وہ عالمگیر جذبہ ہے جس سے ہر تہذیب متاثر ہوئی ہے۔

***

FAMILY LIFE IN ISLAM

By

Dr. Mir Mustafa Hussain

Home plays a very important role in the civilised life of man. It is a small world in itself. An individual is born, brought up, and trained in family atmosphere and this naturally leaves an everlasting impression on him. His character and habits are developed at home, and in the family, and these factors are responsible for his future career. This is the reason why the Quran has laid so much emphasis on family life, and has touched (for guidance) even the minute aspects of it in most elaborate form. A good family order serves as a model for the society, and its people determines future of a nation.

Within a family, role of its head is very important as the entire responsibility of family management rests on him, particularly at the stage when children are in their tender age. He has to protect himself as well as his family members from all kinds of troubles and difficulties. He has to arrange for their basic needs health, care, and educational requirements. The head of the family has to be very careful while taking decisions in these matters. A wrong decision taken by the head of the family can become the cause of great damage to the entire family. He shall, therefore, prevent himself and his family from the disastrous consequences of choosing a wrong path (66:6). He has to see that his family is engaged in productive activity as well as constructive work. This is possible through correct and farsighted planning and its effective implementation.

HUSBAND-WIFE RELATIONSHIP

Husband and wife, particularly as father and mother, are the two significant pillars upon whom the entire edifice of the family rests. It is, therefore essential that their relationship should be cordial as well as harmonious to achieve happiness and prosperity of the family so that the home may serve as model for others in the society. Such relationship creates an impact on younger members particularly the children. From the beginning itself the relationship between these two life partners should be cordial if not ideal.

The main object of married life is that the husband and wife live together honourably and harmoniously in love and affection, and thereby make home a place of peace and an abode of rest and pleasure -- a heaven on earth. It will serve as a model for others to follow (25:74). This kind of relationship will provide opportunity to both the spouses to make use of their potential and allow their capabilities to grow and develop (30:21). Both should respect and be complementary to each other. The relationship

between the two should be most intimate. The Quran has so beautifully described the type of their homogeneity when it says that husband and wife are garments for each other (2:187).

It has been often reminded that treatment given to wife by her husband should not be harsh in order to appropriate a part of her dower unless she is found guilty of open indecency, the matter will of course be decided by the appropriate authority. When something from the side of the wife is disliked, one should not get annoyed over immediately or diced at once to get separated from her. It is quite possible that such thing may bring about abundant good for the husband (4:19).

NIKAH (Marriage)

Man and woman agree together to lead married life and this agreement is called nikah (marriage), and the two parties accept the responsibilities and obligations and thus live together as husband and wife. For *nikah* it is necessary that both man and woman have attained the age of puberty-the age of full bloom and strength (4:6, 40:67). *Nikah* is not possible without mutual consent of both the parties in the presence of at least two witnesses, one from the side of the man and the other from the side of woman. (Man and woman have free choice to marry each other (4:3, 19) Men have been forbidden to marry women against their will, they cannot marry without obtaining consent of women and thus become their masters instead of companion. (4:19) The criterion for selection of spouse should be the unanimity of ideology and faith in Islam, and this is the reason why a *momin* (Believer-man) is forbidden to marry a *mushrika* (Unbeliever-woman) vice versa, and thus to save home from becoming hell whereas Allah wants it to become heaven (2:221).

Nikah should be performed in a declared manner, and the relationship between the spouses should not be kept a secret. If it is performed secretly it is not legal. (4:25; 5:5) The Quran has not suggested any ceremony for nikah, nor it has mentioned about involvement of a (third) person to perform it. Since nikah is an agreement between two parties, government can formulate rules and regulations (marriage Act), and it has to be performed accordingly.

For those who are capable of getting married the society has to provide facilities for nikah. (24:32) Those who could not get facilities to get married should keep themselves chaste by self-control till they get alliance. [(24:33)-VI, p.803] Prostitution is prohibited.

Married couple is forbidden from sexual intercourse when:

(I) The women is not in normal physical condition i.e. during menses, and after this period they can have it as per the natural laws (2:222);

(ii) When either of them or both are observing fast (of course from dawn to dusk) (2:187); and

(iii) Even from dusk to dawn when one is in retreat in the mosque (for some assignment). (2:187)

FORBIDDEN WOMEN FOR *NIKAH*

Certain women (relationships) are forbidden for *nikah*. They are:

(1) Yours mothers (2) your daughters
(3) Your sisters (4) Your father's sisters
(5) Your mother's sisters (6) Your brother's daughters
(7) Your sister's daughters (8) your foster mothers
(9) You're foster sisters (10) Mothers of your wives
(11) Your stepdaughters,.which have been brought up under your guardianship and are born of wives with whom you have had marital relations. If you have not had marital relations then the prohibition does not apply.
(12) Wives of your real sons.
(13) It is also prohibited to have in marriage two sisters at the same time.

Also forbidden to you in marriage are those women who are already married except those whom you already possess. (4:23,24)

A Muslim man should not marry a *mushrika* (Unbeliever woman) until she accepts Islam; likewise Muslim woman should not marry mushrik man until he accepts Islam. (2:221) A Muslim woman cannot marry a man from amongst the people who believe in the earlier scriptures (5:5)

MONOGAMY AND POLYGAMY

It is a misunderstanding that Islam has permitted polygamy (to marry and keep four wives at a time). The fundamental principle is to have one wife at a time. The Quranic instructions that if one decides to marry another woman in place of his existing wife he has to divorce (as per the given procedure) and this itself clarifies that no one is allowed to have more than one wife at one time. (4:20) This should not lead to think that whenever a person wants to marry another woman in place of his existing wife, he might divorce her and go for another marriage (for sex enjoyment or for other reasons). Second marriage is not permitted until and unless differences between husband and wife have reached the climax, ending up by declaring *talaq* (divorce) and the wife is divorced

To have more than one wife, up to a maximum of four at a time has been permitted under extra-ordinary circumstances and for valid reasons. For example, as a result of war when a considerable number of women became widows including those of very

young age, and large number of children become orphans, and when their economic, social, ethical, and sexual problems cannot be solved by any other satisfactory means, the Islamic State can allow an exception to the general rule of monogamy. Such an exemption has to fulfil two conditions viz. (I) such a person will have to do justice and give equal treatment to all his wives, and (ii) he should be economically sound enough to bear the burden of such a large family. Of course consent of the first wife in this matter is necessary. If anyone of these conditions is not fulfilled, permission to go for next marriage is not granted and one should stick to the rule of one wife (4:3); this is the only verse found in the Quran on this subject. Rather at another place the Quran says that despite his strong desire it would not be possible for a husband to be fair and just towards women (wives). One should not be inclined wholly to one wife leaving the other in a state of suspension, like one who remains neither divorced nor undivorced (4:129).

MAHR (DOWER)

Mahr (dower) is that amount which is paid by the husband to his wife at the time of *nikah* (marriage) or agrees to pay afterwards. Mahr is the term in usage to express the payment, the Quran has not used this word, and instead it has used the word nehlah to clarify that this amount is not in lieu of anything else except a specific gift to wife and not remuneration (4:4). Its payment is compulsory. In this regard an example of honeybee has been quoted in the holy Quran so far as payment of *mahr* is concerned, when the honeybee expels honey it does not expect any return for it.

If the amount of *mahr* has not been fixed at the time of *nikah* the payment will be acceptable by mutual consent. Since the payment has to be made necessarily, it has to be fixed as per the husband's capacity to pay it. Therefore, the amount could be anything, even a heap of gold (4:20). The *mahr* is generally paid at the time of *nikah* (marriage) itself. In case *nikah* has been performed but *mahr* has not been fixed, it can be fixed after the *nikah* (2:236). *Mahr* is the property of the woman (wife). She cannot be deprived of her right. If the woman (wife) so desire, she can forego the whole amount or a part of it (4:4, 4:24).

In case divorce has taken place after *nikah,* and the husband has not touched the woman (wife) and (I) if *mahr* has not been fixed, then the husband has to pay as much as he can so that the damage thus caused to the woman's name could be made good to some extent. This kind of treatment is necessary because it exhibits its worth (2:236; 33:49); (ii) if the *mahr* was fixed but the man has not touched the woman (he has married) and divorce has taken place, then half of the value of *mahr* will be given to the woman unless she, by herself forgoes it or if the husband pays the entire *mahr* it is his righteous act (2:237).

Under a situation when the woman is found guilty of open lewdness (immorality) a portion of the *mahr* could be given to the husband (4:19).

In case the woman demands for divorce and if court feels it necessary, she has to forego a part of the *mahr* and get free from the marriage - the *nikah* (2:229)

Giving material goods as *jahez* (dowry) is merely a custom about which there is no mention in the Quran, Demand for such material goods or cash by the man is gross excess; the Quran has rather instructed men to give to the woman but not to take from her.

TENSE RELATIONSHIP

The object of *nikah* is to lead a purposeful, peaceful, and harmonious life. For this purpose selection of an alliance has to be done carefully and thoughtfully. Inspite of taking all-possible care in this matter, certain circumstances arise and result in tense relationship between husband and wife. This situation prevails temporarily and gets normalised by lapse of time. In other situation, a person in anger calls his wife as his 'mother' or talks some rubbish with her; this is called *zihar*. This is a kind of thoughtlessness in oaths, and when the anger subsides, he feels ashamed of it. Such calling does not make his wife the mother, and it is similar to that of calling a person as 'son', and this does not make him a natural son (33:4). Such an attitude towards wife is strongly condemned and punishment has been imposed for it that such a person, before touching his wife should free a slave (since slavery prevailed in the then Arab society). If he is not in position to do so, he should fast for two months consecutively, and if he is unable to observe fast the should feed sixty indigent (poor) persons before they touch each other (58:3-4).

In another case when a man has taken an oath for abstention from his wife that he well not conjugate with her, he is given four months (as waiting) for reconsideration to resume as this 'situation cannot remain permanently. During this period if they resume conjugation, they are permitted to do so. If their intention is firm to dissolve the marriage they can do so as per the provisions of the Divine Laws (2:226 -27 ' 4:35), The object is not to leave the woman at the mercy of man under any circumstances. And her rights are fully protected.

In connection with relationship between husband and wife (4:34), it is generally interpreted that the rank of man (husband) is higher than that of woman (wife), and men are rulers over women, An example of such an interpretation is: "As far those women who seem to have gone refractory, (first) admonish them (and then, if necessary) remove them to separate beds, and (if that fails) give them a shaking." (4:34) In case if a situation arises when woman (wife) turns rebellious, this will not remain an individua problem but it will become a collective one; the matter of protection and upbringing o the children will get associated with this case. At this stage, the society or the State ha to take steps giving them a chance to understand each other and rethink over th matter. If this approach fails, then their husbands will be asked to detach their sexu

relations for sometime, so that this treatment may create a psychological effect on their mind. If all these approaches fail, the court of law may give some physical punishment to the party at fault. In case the husbands are given a free hand to punish their wives by beating them, it will create chaos in the society, and instead of solving a problem, we may create several other problems for the women, their suckling babies children, homes, hospitals, etc.

TALAQ (DIVORCE)

It has been stated earlier that *nikah* is an agreement, with full consent between a man and a woman (fully matured and sane) for leading married life. This aims at a happy family life. When possibility of maintaining married life does not remain, both the parties are permitted to cancel their *nikah* - marital tie; and a relief from this bond is called *talaq* (divorce).

In the matter of *nikah* only two individuals-man and woman are involved, and therefore, it is confined to these two individuals only. The matter of *talaq* is not so confined to two individuals alone; sometimes besides them, their children's interest will be affected, and thus it becomes a common matter of the society. It is worthy of consideration that at the time of formulation *nikah* deed consent of both the parties viz. man and woman was necessary; when the same agreement is being terminated, how could only one party namely the husband is given all the rights to terminate the same unilaterally, saying in one breath *talaq-talaq-talaq,* and driving away the lady from home. At the same time, she is helpless to face innumerable troubles to settle the matters of divorce.

Rights and responsibilities of husband and wife are equal, and the position of both the parties shall be similar in the matter of *talaq* too. Guidance of the Quran in this respect is that "If you fear a breach between the couple, then appoint an arbiter from the man's family and an arbiter from the woman's family. If the two (husband and wife) desire to reach a settlement, God is knowing, the Apprised of all." (14:35) Some of the Islamic scholars say that this is "An excellent plan for settling family disputes, without too much publicity or mud-throwing or resort to the chicaneries of the law. The Latin countries recognise this plan in their legal systems."

In the matter to *talaq,* irrespective of complaint put forth either by the husband or the wife, it will be the responsibility of the society to appoint a board of arbitration. If the wife feels excesses or negligence from the husband's side, the better course will be that both husband and wife should sort out their differences or appoint a board of arbitration. (4:128) The woman (wife) can also take her case to the court that she too has got full right for divorce (as per the law). But the efforts of the board will be to settle the matter between the husband and the wife amicably. The Quran has used the term

talaq for husband and wife both; it has not used the term *khula*, which has been coined later. It is said that 'husband has handed over the right of *talaq* to the wife, but this is not correct. When the wife too has got the same right of *talaq* as that owned by the husband, then handing over the right of *talaq* to the wife by her husband makes no sense.

If a settlement between husband and wife in the matter of *talaq* could not be reached, then the institution or the court, which has appointed the arbiters, will pronounce the dissolution of the *nikah* (marriage). This is called *talaq*. In the matter of *talaq*, the Quran has addressed the Prophet (S), who was a judge or court (65:1). This indicated that the matter of *talaq* is not restricted to the two parties i.e. husband and wife only, it has wider horizons. The Prophet (S), who was assigned by the Almighty the role of court, was asked to inform the concerned persons that the matter of *iddat* ('waiting period' during which a divorced woman or a widow cannot marry) carries great significance, and this should always be kept in mind (65:1). As the *iddat* is based on menstruation, to account for *iddat* the *talaq* judgement should not come into effect until the concerned woman has completed three menstrual cycles. Those who do not menstruate due to physical disorder or old age, should wait for three months (65:4); only those women whose marriage is not consummated, have no 'waiting period' (33:49). If a woman is pregnant she must declare it, and the 'waiting period' for her is until the delivery (65:4). *Iddat* ('waiting period') for a widow is four months and ten days (2:234).

In case the court sees that the husband does not want to continue with his wife, the *talaq* judgement is given and the (divorced) woman will not give anything to the man. In this respect instructions given are very clear (4:20-21) and that the circumstances have led to the stage of separation. In this case, if a person has given even a whole treasure as *mahr* to his wife, he should not take back even a fraction of it (when *talaq* process has been initiated from his side). A portion form the *mahr* can be taken back when the woman takes initiative for *talaq* (2:229), or when she is found guilty of open indecency (4:19). This will also help to check a situation under which a woman performs *nikah* with a view to get *mahr* and afterwards she takes steps for *talaq*, then she has to surrender a portion of the *mahr*. At the same time man has been warned not to accuse or slander a chaste woman of open indecency with an object of compelling her to forego a part of her *mahr* for the husband. This is such an open sin, which does not require any evidence. The instructions are that whatever one has given her how he can take it back when he has enjoyed marital relations with her. Also at the time of *nikah* there was a solemn covenant from the husband for complete protection of her rights, and on the basis of this one should respect the agreement (4:20-21).

On pronouncement of *talaq* by the court, *iddat* commences for the woman; during this period she cannot marry (as stated earlier). She will remain there only where she was living with her husband before the *talaq*, and the cost of her maintenance will be borne by her (previous) husband with a provision to have the same standard of

living she was enjoying before the *talaq* (65:6-7). If the woman is pregnant at the time of *talaq*, her expenditure will be borne by her previous husband till the delivery. After the delivery if she suckles baby, and if the man cannot make any other arrangement for this, she should be paid for the suckling, details for payment have to be settled mutually and under the provisions of the prevailing law. If this arrangement causes hardship to the man, separate arrangement is made for suckling through some other woman. While fixing the amount of expenditure of the divorced woman during the 'waiting period' or for suckling, it has to be done as per the paying capacity of the husband. If a person is financially depressed he should pay whatever he can (65:6-7). Further instructions of the Quran in this respect are: "Reverting to family laws, men should leave a will behind stating that their widows should be given maintenance for a year without requiring them to leave their homes. However, if during this period, the women of their own accord leave their home and make a decision regarding their further life, you are not to be blamed for it. And remember that these laws are given by Allah who is Almighty Wise". (2:240).

When the *iddat* is nearing its end, the husband may either take the (divorced) wife back on equitable terms or part with her on equitable terms (65:2). If the husband initiated termination of Nikah and he desired to resume the martial relationship, with the consent of the woman he may do so even during the *iddat.*

Two things are very clear in this respect (I) if the wife had initiated dissolution of marriage, it means that she does not want to cohabit with the husband. Therefore the husband cannot take her forcibly; it is altogether a different matter that she makes her mind to join her husband again; (ii) if the husband had initiated *talaq*, though the wife wanted to continue with him and the man corrects himself, then the martial relationship could be resumed. Under such a situation, the Quran warns that resumption of marital relationship should not be with a malign intention to do harm to her or to transgress the limits of Divine law and whosoever harms her harms him. (2:231) When both the spouses desire to reunite, they should not be prevented (2:232).

When reunion between the spouses has taken place, a question arises that for stabilisation of the marital relation whether renewal of *nikah* will be necessary or the same old agreement of marriage will be enough. This matter has been left to the society that if it wants it can recognise the previous *nikah agreement*, and if the society decides otherwise fresh *nikah* agreement has to be made. The State has to consider necessary that renewal of the union during *iddat* should be done in such a way that this is considered as *nikah.*

If the spouses have decided again to live as husband and wife, the above procedure will be adopted. If they have decide for separation, then two witnesses will be required who should not allow any concession to either of them. These witnesses should stand considering their service as duty to Allah (65:2). And that consideration (for

reunion) which was an available to the man and the woman during *iddat* will not remain.

For these individuals (husband and wife), Whether they reunite or get separated, this step will amount to pronouncing one *talaq*.

If this couple has resolved to continue as husband and wife (whether during the iddat or thereafter), and again they have resorted for separation, the same procedure as given above has to be adopted. This will be treated the second *talaq*.

After the third *talaq*, neither during the *iddat* nor afterwards, they can cohabit as husband and wife (2:229). In case the woman gets married elsewhere and leads regular married life, and there also such a situation develop leading to *talaq*, or she becomes a widow, then the woman can re-marry her previous husband (2:229-30) In the light of the above explanation, it becomes quite clear that pronouncement of *talaq* thrice (at three different times) means final termination of the *nikah* i.e. married life.

With regard to suckling the infant (baby), it is not necessary for mother to suckle for a specific period of time. The parents depending on the conditions of the baby could take the decision in this matter. In this regard the Quran observes that the mother carries the baby in her womb and suckles it after delivery for a period of two years (2:233; 46:15), then expenses for the maintenance of the mother will have to be borne by the father, and these charges will not be beyond the father's capacity. If both of them agree that the mother is relieved from suckling of the baby, they may do so. If the father desires to arrange another woman for suckling the baby, there is no harm in it, but whatever had been promised to the mother, that should be fulfilled accordingly. If the father dies during this period, the maintenance cost of the baby should be borne by his heirs.

On separation of husband and wife, children should stay with whom, is the matter to be decided by the competent court or the State. It is to be kept in view that neither the father nor the mother or the heirs should suffer unnecessarily in this regard. The State could formulate rules for this purpose.

بزم طلوع اسلام چک 215/EB بوریوالہ شہیدان ملت کی یاد میں

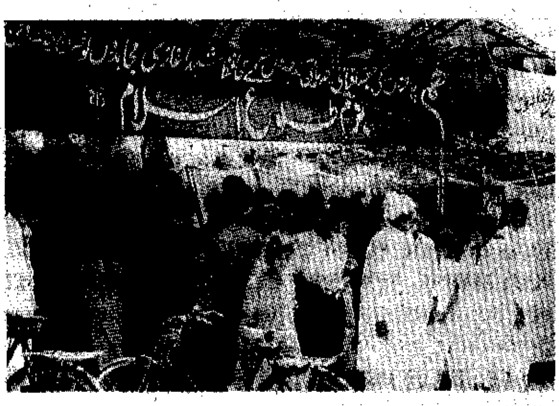

CENTENARY *21st September 1897; 21st September 1997.*

M.A. RAHMAN CHUGHTAI

MODERN MUSLIM MASTER AND NATIONAL PAINTER OF PAKISTAN.

SERVING THE NATION

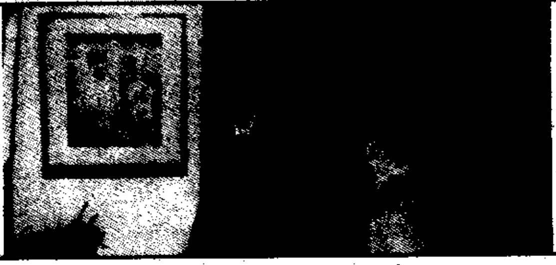

SERVING ITS ART NEEDS

11th December, 1949, Governor General of Pakistan, Khawaja Nazim-ud-Din, inaugurates the FIRST ART EXHIBITION OF PAKISTAN at Alhamra of M.A. Rahman Chughtai which put Pakistan on the art Map of the World.

The basis for Pakistan was laid by Dr. Allama Iqbal, long before Pakistan came into existence. Similarly the basis for Pakistani Art was also laid by M.A. Rahman Chughtai, long before the country came into being. In 1947, at the time of partition, M.A. Rahman Chughtai was the most famous artist of the region, and his importance was appreciated around the globe, with his newer school of Art, which was distinctively Islamic in perspective.

The conspiracy at the time of partition was simple. To belittle the miracle of Pakistan by projecting the two nation factual reality, as not upto the dictats of modern times and to present Islam as a reactionary force. For this the attack was on all national institutions, by imported fanatic Mullahs on one hand, and secular pseudo-intellectuals on the other hand, both were two sides of the same coin, and this was being done at the behest of foreign agencies to belittle the rationale of the country.

The pride of Pakistan, M.A. Rahman Chughtai was much loved by the people of Pakistan, and took the name of Pakistan with honour to art centres around the whole world. His death on 17th January, 1975, was condoled by many foreign Heads of States (which included Queen of England, Indian Prime Minister, Vice President of USA, German President, UNO Secretary General etc), but not the Prime Minister of Pakistan. With this approach, the 23 years support of various Governments came to an end.

IT IS IRONICAL THAT NO GOVERNMENT OF PAKISTAN OF THE LAST 23 YEARS HAS DONE ANYTHING FOR PRESERVING OR PROMOTING THE ART OF M.A. RAHMAN CHUGHTAI.

On his death in 1975, the Chughtai family made a promise to the nation that his art will be preserved and it has done so for the last 22 years. Now it is on the brink of a major step.

THE FOUNDATION STONE FOR THE MUSEUM IS BEING LAID TODAY IN GARDEN TOWN LAHORE BY BEGUM KISHWAR IQBAL BANO, WIDOW OF THE ARTIST M.A. RAHMAN CHUGHTAI.

Inshallah the museum will be completed within a few years, but as in the last 22 years, we continue to operate with exhibitions, publications, prints, sale and free distribution of printed matter. If you are an art lover and interested in Chughtai, we are the best source for anything related to the art of the artist.

Enquire today:

CHUGHTAI MUSEUM TRUST, MIAN SALAH MIMAR LANE, 4-GARDEN TOWN, LAHORE-54600, PAKISTAN. Phone: 042-850733. Fax: 042-5838373.